حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور
حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے
کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 4

(شعبان۔ 1442ھ) بمطابق (اُحد۔1399 ش ھ)
بمطابق (مارچ۔ 2021ء)

زیر سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمت کو آجکل کی سمجھ
میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر CB-1991/1 ۔ بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ
گلی نمبر 4 ۔ نزد آشیانہ چوک۔ اللہ آباد ۔ ویسٹرج 3 ۔ راولپنڈی

مضامین کی فہرست

	عنوانات	1
1	دیباچہ	2
2	حمد	4
3	نعت	5
4	کلام	6
5	مطالعہ سیرت بصورت سوال	7
6	سوال و جواب	13
7	مختصرات سلوک	19
8	تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ	23
9	خانقاہ کے احوال	35
10	علوم عظیمہ	37
11	مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ	38
12	دَ دین ظاہر اؤ باطن	64
13	دین کا ظاہر اور باطن (پشتو بیان کا ترجمہ)	73
14	شمسی ہجری تقویم (کیلنڈر)	79

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۝

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ شاہراہِ معرفت کا ایک اور کتابچہ تیار ہو گیا۔ جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے کہ اس کتابچے کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ اس میں ایک ہی وقت میں مجددین کی تعلیمات پر بات ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کی تعلیمات کی روشنی میں آج کل کے دور کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

فی الوقت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا ایک درس اور "مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ" کا ایک درس اس میں شامل کیا جا رہا ہے اور انہی تعلیمات کے تسلسل کے طور پر "آج کی بات" کے عنوان سے جو کہ ہر روز نماز فجر کے بعد ایک درس ہوتا ہے۔ وہ بھی شامل کیا جارہا ہے۔ البتہ اس کے ساتھ مطالعہ سیرت بصورت سوال کا خوبصورت اضافہ کیا جا رہا ہے جس کا درس بھی روزانہ فجر کے بعد ہوتا ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ سیرت پاک ﷺ کے بارے میں جب کوئی سوال کرتا ہے۔ سوال سن کر جواب کی طرف خود بخود ذہن متوجہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ مضمون اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اس قسم کی پہلی کوشش ہے۔ واللہ اعلم۔ ان کو ہم اس رسالے میں اس لیے متعارف کرا رہے ہیں تا کہ جن قارئین کے لیے ممکن ہو وہ اس کو روزانہ ہماری ویب سائٹ پر سن سکیں۔ "حمد و نعت" کا کالم تو اس کتابچے کی پیشانی کا نور ہے۔ اس کے ساتھ ایک عارفانہ کلام بھی شامل کیا جا رہا ہے اور ہر ہفتے ہونے والا "سوال و جواب" کا سیشن بھی دیا جارہا ہے۔ ایک شیخ وقت کے نزدیک یہ حصہ آج کل کے تصوف کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اس کو ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ اس نیت سے اس کو اس کتابچے میں جگہ دی جا رہی ہے۔ ورنہ خانقاہ کی ویب سائٹ پر تو یہ سب موجود ہیں۔

"خانقاہ کے احوال" بھی اس کتابچے کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ تا کہ ساتھیوں

کو خانقاہ کے فوری ضروری حالات کے بارے میں آگاہی ہو سکے۔

"مختصرات سلوک" کے عنوان سے اکابر کی کتابوں کا جو نچوڑ دیا جا رہا ہے۔اس میں اس دفعہ جبلت اور نفس کے فرق کے بارے میں بتایا گیا ہے اور ساتھ ہی اذکار کے بارے میں جو بات مشہور ہے کہ فلاں ذکر گرم ہے۔فلاں سرد ہے۔اس کی تحقیق دی گئی ہے۔اس دفعہ تعلیمات مجددیہ کا افتتاحی مضمون شامل کیا جا رہا ہے۔جس میں اس کی اہمیت بتانے کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا آخری نچوڑ دیا جا رہا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے بعد تعلیمات مجددیہ کو مزید تفصیلات کی ضرورت نہیں ہو گی۔اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ بعض لوگ، مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام لینے والے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تعلیمات کے بارے میں بہت غلو رکھتے ہیں۔حالانکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اتنا زور نہیں دیا اور تعلیمات جن پر زور دیا ہے اس سے اعراض کر رہے ہیں۔اس لیے حضرت کے قلم سے ان کے سامنے وہ باتیں لانا چاہتے ہیں جن کا جاننا حضرت کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

اس کے علاوہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر جو کتاب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔اُس کا بھی ایک درس شامل کیا جا رہا ہے۔اس میں بہت مفید اشارے ہیں جو بھی ان تک پہنچ کر ان سے کام لے اس کی قسمت ہے۔

آخر میں سب قارئین سے اس کتابچے کی تاخیر کی معذرت کرنی ہے۔لیکن اس کی وجہ "اَظْهَرُمِنَ الشَّمْس" ہے کہ ایک تو کورونا کی وجہ سے سارے معاملات پوری دنیا کے معطل ہو گئے ہیں۔دوسری بات یہ کہ ہمیں بھی اس لائن میں بہت کچھ سیکھنا ہے۔جس میں تاخیر ہونا فطری ہے۔آئندہ ان شاء اللہ کوشش ہو گی کہ تاخیر نہ ہو۔

از طرف

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

حمد

وہ مرے دل میں رہے

اس کے وعدوں پہ یقیں کرتے ہوئے یاد سے اس کی، سکوں پاتا رہوں
دل مرا اس کی یاد سے ہو پر، شکر اس کا میں بجا لاتا رہوں

عشقِ الٰہی کے سمندر کا میں شناور بنوں اور مست رہوں
دنیا سو بھیس بدل کے آئے اس سے دامن اپنا بچاتا رہوں

اس رب کے لیے ہو وقف ہاں جو ذرہ ذرہ میرے جسم کا ہے
ہر وقت اتنا خوش نصیب بنوں کہ اس کی یاد میں، میں آتا رہوں

دل مرا تخت ہے تجلی کا وہ کہ جو سب سے بے نیاز کرے
اس تجلی کے میں آثار پھر خود ایسے عشاق کو سناتا رہوں

دنیا ظلمت ہے اور بوجھ ہے اک اس سے ہجرت کروں اور دور رہوں
ذکر کے نور سے پر نور رہوں اور اس نور میں نہاتا رہوں

دکھ یہاں کے جو ہیں وہاں کے ہیں سکھ، اس کا انعام گر سمجھتا رہوں
سکھ وہاں کتنے ملیں گے ان پر، خود کو میں بار بار سمجھاتا رہوں

بس مرا دل قبول ہو جائے باقی اعضاء تو اس کے خادم ہیں
وہ مرے دل میں رہے اور میں دل سے اس کے احکام بجا لاتا رہوں

آنکھ اٹھے تو وہ اس طرف ہی اٹھے کان سنیں وہ جو ہو پسند اس کو
اور زبان پر ہو حمد جاری شبیرؔ، زیرِ لب اس کو گنگناتا رہوں

نعت

الٰہی پہنچے رسول اللہ کو درود اپنا سلام اپنا

الٰہی پہنچے رسول اللہ کو درود اپنا سلام اپنا
محبت آپکی ہو دل میں تب ہو تکمیل ایماں کا کام اپنا

حبیب اللہ ہیں، رسول اللہ ہیں، خدا کے محبوب نبی ہمارے
طریقہ اُن کا ہے کامیابی نظام اُن کا نظام اپنا

ہم اپنے آپ سے بھی چاہیں زیادہ اِنہیں، ہے ایماں کا یہ تقاضا
درود اُن پر سلام اُن پر وظیفہ صبح و شام اپنا

جو پیاری نسبت ہے اُن کی ہر اک قدر کریں ہم اِن نسبتوں کی
صحابہ، مائیں اور اہلِ بیت بھی، ہے سب کا اعلیٰ مقام اپنا

کہاں ہو تعریف کسی سے اُن کی، یہ ایک کوشش شبیرؔ کی ہے
ہے چاہتا لکھنا مدح خوانوں میں اسی طریقے سے نام اپنا

کلام

عقل اور عشق

میں عقل کے شہروں میں بسیرا نہیں کرتا
اور عشق کے صحراؤں سے نکلا نہیں کرتا

یہ عشق کی خادم ہو تو ہاتھ چوم لوں اس کے
کینہ میں دل میں عقل سے رکھا نہیں کرتا

میں ظرفِ شریعت میں بھروں عشق کا شربت
عقل نفس سے ہاتھ ملایا نہیں کرتا

جو عشق کی اداؤں پہ مر مٹا نہیں اس کو
اشعارِ جذب و عشق سنایا نہیں کرتا

عشاق کی اداؤں کا میں شیدا ہوں اے شبیّر
کم ظرف کو کبھی بھی پلایا نہیں کرتا

مطالعہ سیرت بصورتِ سوال

سوال: سیرت کس کو کہتے ہیں؟

جواب: انسان کی جیسی ظاہری صورت ہوتی ہے اوراس میں اعضاء کا جو تناسب ہوتا ہے۔اُس سے خوبصورتی کا پتہ چلتا ہے۔مثلاً ناک، کان،چہرہ،آنکھیں، قد،وغیرہ یہ سب خوبصورتی کے بارے میں ارکان ہوتے ہیں۔ان کے ذریعے سے خوبصورتی ظاہر ہوتی ہے۔اسی طریقہ سے جو اخلاق کے مختلف اجزاء ہیں۔اَخلاق خُلق کی جمع ہے اُن میں باہمی تناسب ہوتا ہے، جب تناسب بہترین ہو تو اُس کو اچھی سیرت کہتے ہیں۔یعنی صورت کے بارے میں ظاہری اعضاء کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خوبصورت ہے یا بدصورت اورسیرت کے لیے باطنی اجزاء کا تناسب دیکھا جائے گا کہ اگر وہ بہترین ہے تو خوب سیرتی ہو جائے گی۔

سوال: آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کس لیے ضروری ہے؟

جواب: چونکہ ہمارے لیے آپ ﷺ کے طریقوں کی صورت میں بہترین نمونہ بھیجا گیا ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ اس وجہ سے اگر ہمیں آپ ﷺ کا طریقہ معلوم ہو گا اور آپ ﷺ کی سیرت کا پتہ ہو گا تو اُس کے ذریعے ہم اپنی زندگی کو بہتر کر سکتے ہیں۔ویسے بھی جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔اُس کے بارے میں انسان جاننے والوں سے جاننا چاہتا ہے کہ وہ کیسے تھے؟ چونکہ آپ ﷺ کے ساتھ محبت ہمارے ایمان کا تقاضا ہے اور جب تک آپ ﷺ کو ہم اپنے والدین سے اپنی اولاد سے بلکہ سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھیں اُس وقت تک ہمارے ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔اس لحاظ سے اس محبت کا تقاضا ہے کہ ہم آپ ﷺ کے بارے میں جانیں کہ آپ ﷺ نے زندگی کیسے گزاری۔

سوال: سیرت پر کام اُمت میں کس طرح ہوا ہے؟

جواب: اصل میں آپ ﷺ کی سیرت پر کام مختلف زمانوں میں مختلف علماء نے اپنے اپنے طریقہ سے کیا ہے اور وہ سارے طریقے اچھے ہیں ضرورت

کے لحاظ سے اُن کو دیکھا جائے گا۔ بعض کتابیں اللہ جل شانہ کے ہاں بہت مقبول ہوئی ہیں۔لوگوں میں بھی مقبول ہوئی ہیں اور سیرت پر کام کرنے والوں کا پلڑا بھاری رہا ہے۔اس لیے ہم نے بھی سیرت پر ایک مختلف طریقے سے کام شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سوال و جواب کی صورت میں آپ ﷺ کی سیرت کو واضح کیا جائے۔

سوال: سوال و جواب کا طریقہ کیوں اختیار کیا گیا؟

جواب: یہ ایک فطری بات ہے کہ جب کوئی سوال کیا جاتا ہے تو اس کا جواب سننے کا تقاضا سننے والے کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ چناچہ وہ جواب غور سے سنتا ہے۔یہی تحریر کا مقصد ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لیے اُس کو لکھا گیا ہوتا ہے۔اُس کو اس مقصد کے لیے پڑھا جائے۔اس وجہ سے سوال وجواب کی صورت میں جو تحریر لکھی جاتی ہے۔اُس کا بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ہماری ایک کتاب ہے "تصوف کا خلاصہ" اُس سے لوگوں نے بڑا فائدہ اُٹھایا۔بڑی مقبول کتاب ہے۔اُس کی وجہ یہی ہے کہ وہ سوال و جواب کی صورت میں ہے۔ابتداء ہی سے جب سوال ہوتا ہے تو ذہن جواب کی طرف جاتا ہے۔پھر جو جواب ہوتا ہے اُس کو اچھی طرح لوگ سمجھ لیتے ہیں۔لہٰذا اُس میں بالکل بنیادی باتیں کی گئی ہیں اور اُس سے بہت فائدہ محسوس ہوا ہے۔

سوال: آپ ﷺ کی زندگی کو عام طور پر دو ادوار، مکی زندگی اور مدنی زندگی میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ان دونوں ادوار میں آج کل کے مسلمانوں کے لیے کس قسم کے پیغامات موجود ہیں؟

جواب: آپ ﷺ کے سیرت پاک کے دو بڑے ادوار ہیں۔ایک کو مکی دور کہتے ہیں اور دوسرے کو مدنی دور کہتے ہیں۔ مکی دور میں آپ ﷺ نے دعوت کا کام شروع کر لیا تھا۔یعنی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے قریبی لوگوں کو ڈرانا شروع کر لیا تھا ﴿**وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ**﴾ جیسے حکم تھا۔اس وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے قریبی لوگ جو قریش تھے اُن کو دعوت دینا شروع کر دی تھی۔اس دعوت میں جو ترتیب آپ ﷺ نے رکھی تھی وہ اس طرح تھی کہ

آپ ﷺ نے اپنی زندگی کو ایک بنیاد بنایا تھا۔چونکہ آپ ﷺ نے ان میں زندگی گزاری تھی تو اُس بنیاد پر آپ ﷺ نے دعوت دی۔یہ بڑی حقیقت تھی کہ جو زندگی آپ ﷺ نے ان کے درمیان بعثت سے پہلے گزاری تھی وہ بھی اتنی پاک تھی کہ آپ ﷺ کو صادق اور امین کہا جاتا تھا۔امانتیں وہ لوگ آپ ﷺ کے پاس رکھا کرتے تھے۔ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ جب خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران حجر اسود رکھنے کا معاملہ آیا تو قریش میں چونکہ قبائلی زندگی تھی اور قبائلی زندگی میں تو مقابلہ ہوتا ہے۔اس وجہ سے ہر قبیلے والے یہ کہہ رہے تھے کہ ہم حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھیں گے۔اس وجہ سے قریب تھا کہ ایک نزاع اور لڑائی شروع ہو جائے۔وہاں یہ بات بھی تھی کہ اگر ایک دفعہ لڑائی شروع ہو جاتی تو پھر وہ لڑائی برسوں چلتی اور آپس میں مقاتلہ جاری رہتا تھا۔اب اس لڑائی کی صورت سے بچنے کے لیے اُنہوں نے ایک ترتیب بنائی۔قبائلی زندگی میں یہی تو بات ہوتی ہے کہ اُن کی مشکلات بھی ہوتی ہیں لیکن ان مشکلات سے نکلنے کے راستے بھی وہ نکال لیتے ہیں۔اُنہوں نے یہ ترتیب بنائی کہ جو بھی صبح سویرے خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے تو اُس کو ہم حَکم بنا دیتے ہیں۔وہ جو بھی فیصلہ کرے سب اُس کو مانیں گے۔بڑا مشکل کام تھا لیکن بہر حال اُس کے لیے انہوں نے یہ حل نکالا۔صبح جب دیکھا تو سب سے پہلے آپ ﷺ تشریف لائے تھے۔سب نے بآواز بلند کہا کہ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ آپ ہیں۔کیونکہ آپ صادق اور امین ہیں۔آپ بہت اچھا فیصلہ کریں گے۔پھر ایسا ہی ہوا آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی۔اُس میں حجر اسود کو رکھا اور سارے قبائل کے سرداروں کو کہا کہ اس چادر کو سب اُٹھائیں تو سب کی شرکت ہوئی۔جس وقت حجر اسود کو اپنی جگہ پر قریب لایا گیا تو پھر سب سے پوچھا کہ کیا آپ کی اجازت ہے کہ میں یہ پتھر اپنی جگہ پر رکھ دوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں۔تو بس آپ ﷺ نے حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھ دیا اور اس طرح یہ مسئلہ حل ہو گیا۔گویا کہ یہ صادق اور امین ہونا آپ ﷺ کا اتنا عام تھا کہ آپ کے نام کا حصہ ہو گیا تھا۔جس وقت آپ ﷺ نے دعوت دی تھی۔اُس وقت بھی آپ ﷺ نے پوچھا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے دشمن آپ پر حملہ آور ہو رہا ہے تو کیا آپ لوگ یقین کر لیں گے؟ سب نے کہا کہ کیوں نہیں کریں گے کیونکہ آپ صادق اور امین

ہیں۔تب آپ ﷺ نے دعوت دی جس پر لوگ مشتعل ہو گئے کیونکہ ان کے آباء و اجداد کے دین کے خلاف بات تھی۔اُس وقت چونکہ وہ ایمان نہیں رکھتے تھے۔نفسیاتی طور پر برابری والا معاملہ بھی تھا اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم جیسا ایک بندہ یہ کہے کہ میں نبی ہوں۔تو ہم کیسے اس کی بات مانیں؟ اس بات کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی کو نمونہ بنایا تھا۔جیسا قیصر نے قریش کے وفد سے پوچھا تھا کہ جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ میں نبی ہوں تو کیا اُس نے زندگی میں کبھی جھوٹ بولا ہے؟ اس پر ابوسفیان (جو کہ اُس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے کہا کہ نہیں جھوٹ تو نہیں بولا۔اس پر قیصر نے کہا کہ اگر وہ عام حالت میں جھوٹ نہیں بول رہا تو وہ اللہ پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے؟ بات تو اُس کی صحیح تھی۔اس وجہ سے آپ ﷺ کا صادق اور امین ہونا آپ ﷺ کے نبی ہونے کی بہت بڑی سند تھی۔اسی بنیاد پر آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تھی۔اس کے بعد جو ،جو حضرات مسلمان ہوتے گئے ۔ تو اُن کی مخالفت شروع ہو گئی۔مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ لوگوں نے اُن مسلمانوں کو مارنا پیٹنا حتی کہ شہید کرنا شروع کر دیا۔جیسے بلال رضی اللہ عنہ کو گرم ریت پر لٹا کر پیٹا جاتا تھا۔حضرت سُمیہ رضی اللہ عنہا تو شہید ہو گئیں۔اس طرح جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام میں داخل ہوتے تو اُن کے لیے مصائب کا ایک طوفان شروع ہو جاتا تھا۔حتیٰ کہ شعب ابی طالب کی گھاٹی میں تین سال تک ان کا بائیکاٹ کیا گیا ۔اُن کو باہر نہیں آنے دیا جاتا تھا۔جب گرمی اور بھوک کی وجہ سے کی وجہ سے عورتیں روتیں اور بچے چیختے تو کفار بڑے خوشی سے قہقہے لگاتے اور یہ مسلمان پتوں پر گزارا کرتے تھے۔تین سال کا وہ کرب والا دور مسلمانوں نے گزارا۔اُس میں سب سے بنیادی بات یہی تھی کہ صبر و استقامت کے ذریعے آنے والے دور کے لیے ٹریننگ ہو رہی تھی۔جو دور آنا تھا اُس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک ترتیب بنی ہوئی تھی۔گویا کہ یہ ایک مسلسل ٹریننگ ہو رہی تھی۔وہ قوم تیار ہو رہی تھی جس نے آگے جا کر بہت بڑا منصب سنبھالنا تھا۔اُس کے لیے اُن کو ایک ترتیب سے گزارا گیا۔

تھوڑا سا غور کریں ہمارے آرمی والے جو دو سال کی ٹریننگ دیتے ہیں تو اُس میں بہت مشکل وقت دیا جاتا ہے۔اس مشکل وقت کا پتہ ہوتا ہے کہ

یہ دو سال کا ہے۔ لہٰذا اُس کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ لیکن شعبِ ابی طالب کا تو پتہ نہیں تھا کہ کتنی دیر تک رہے گا اور اس کے بعد کیا ہو گا؟ من جانب اللہ ایک غیر اختیاری ترتیب تھی۔ اُس وقت صبر دیکھا جا رہا تھا اور صبر پیدا کیا جا رہا تھا۔ یعنی ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ نماز کا حکم بھی آگیا تھا اور ساتھ صبر کا بھی حکم آیا تھا۔ یہ مکی دور صبر کا دور تھا۔ اُس وقت اپنی طرف سے طاقت دکھانے کا دور نہیں تھا بلکہ صبر کا دور تھا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کو صبر کا ہی درس دیا کرتے تھے۔ سُمیہ رضی اللہ عنہا اور یاسر کو جو شہید کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ اُن کے خاندان والوں کے بالکل قریب سے گزرے تو فرمایا: اے آل یاسر! اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ جنت میں دے گا۔ اس طریقہ سے ابوذر کی یہ حالت تھی کہ جب وہ مسلمان ہو گئے تو حرم شریف میں قید کر دیئے گئے اور وہ صرف زم زم کے پانی پر گزارہ کرتے تھے۔ اس طرح حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے ان کی والدہ نے سارے کپڑے اُتار کر گھر سے نکال دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کتنی دفعہ مارا گیا۔ اسی طرح اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تکالیف برداشت کرتے رہے اور آپ ﷺ ان کو صبر کی تلقین کرتے رہے۔ اُس وقت صبر کا دور تھا۔ مکہ کا دور صبر کا دور ہے کہ اپنے ایمان کو بچانے کے لیے زیادہ تر چھپے رہیں اور دعوت چپکے چپکے دی جاتی تھی۔ اگر کوئی مصیبت آتی تو اُس پر صبر کا درس دیا جاتا تھا۔ جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو معاملہ پھر مختلف ہو گیا۔ لیکن چونکہ وہ بھی ایک بڑا مضمون ہے اُس پر بعد میں بات کریں گے۔ لیکن مکی دور سے ہی مدینہ کا دور بنا تھا۔ مکی دور صبر و استقامت کا دور تھا۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ اس میں پوری ایک ترتیب بتائی گئی ہے۔ صبر و استقامت اور ایمان کا گویا کہ ایک نمونہ تھا۔ یہ مکی آیت ہے اس وجہ سے مکی دور کا ایک نظارہ پیش کر رہی ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ یہ ایمان لانے کا ذکر ہے۔ ﴿ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ چاہے جتنا بھی مشکل وقت آجائے اُس سے ایمان نہ ڈگمگائے۔ ایسے لوگوں کے لیے بشارت ہے۔ ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾﴾ (حٰمٓ السَّجْدَةِ)

سوال وجواب

سوال 1:

میرے ذہن میں یہ ہے کہ تصوف یا سلوک شریعت سے ہٹ کر کوئی چیز ہے اور شریعت سے متصادم چیز ہے۔میں یہ چاہ رہا تھا کہ اس چیز کی ہلکی سی وضاحت اس اعتبار سے ہو جائے کہ اس کی کتنی اہمیت ہے اور کن حالات میں اس کی ضرورت ہے۔جیسے آج کل کے حالات ہیں اس میں اپنے دین کی حفاظت کے لیے...

جواب 1:

بہت اچھا سوال ہے۔بلکہ سوال نہیں guideline ہے۔اصل بات یہ ہے کہ شریعت کس کو کہتے ہیں؟ شریعت آپ ﷺ کے دین پر چلنے کا طریقہ ہے اور طریقت اس کی تکمیل کا نام ہے۔یعنی کہ جان آجائے۔جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ شریعت سے مراد وہ اعمال جو ہم کرتے ہیں۔مثلاً نماز پڑھتے ہیں۔روزہ رکھتے ہیں۔زکوٰۃ دیتے ہیں۔حج کرتے ہیں۔یہ اعمال تو کرنے ہیں۔شریعت سب پر لازم ہے۔کیونکہ ہمارا طریقہ بھی آپ ﷺ کا بتایا ہوا طریقہ ہے اور آپ ﷺ کے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے اور آپ ﷺ نے بھی خود نہیں بنایا بلکہ اللہ پاک کی طرف سے آیا ہوا ہے۔اب شریعت میں جان آئے گی کیفیت احسان کے ساتھ ﴿اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ﴾ یہ شریعت کی تکمیل کا نام ہے۔یوں کہہ سکتے ہیں اس کے اندر خلوص پیدا کرنا ہے۔**لِلّٰهیت** پیدا کرنی ہے اور ہر کام خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا ہے۔یہ اخلاص ہر چیز میں لانا ہے۔اب نماز اگر آپ بالکل اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھیں تو کیا یہ شریعت سے کوئی علیحدہ چیز ہے؟ یا زکوٰۃ بالکل اللہ تعالیٰ کے لیے دے دیں اور اس میں نام و نمود بالکل نہ ہو تو کیا یہ شریعت سے کوئی علیحدہ چیز ہے؟ شریعت ہی کا تقاضہ ہے۔لیکن شریعت کے اس حصے کا تقاضہ ہے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے۔جو حصہ ظاہر سے تعلق رکھتا ہے اس کو ہم ظاہری شریعت کہتے ہیں اور جو باطن کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس کو ہم تصوف کہتے یا طریقت کہتے ہیں۔ان دونوں میں

کوئی فرق نہیں۔آج کل کے لحاظ سے اس کی بہت ضرورت ہے۔اس بارے میں یہ عرض کرسکتا ہوں کہ تبع تابعین کے دور میں تقریباً بارہ ہزار کے لگ بھگ خانقاہیں تھیں۔باوجود اس کے کہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔

خانقاہ کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ خانقاہ کا مطلب یہ ہوتا ہے جہاں پر انسان اپنی اصلاح نفس کے لیے وقت نکال کر جاسکے۔جہاں پر ماحول ایسا بنا ہو کہ انسان وہاں پر وقت گزار کر ماحول سے جو برے اثرات لیے ہوئے ہوتے ہیں ان کو ختم کر دے یعنی ان سے ماحول کے برے اثرات ختم ہوں اور جو ذکر و اذکار کے اور صحبت صالحین کے اچھے اثرات ہوتے ہیں وہ لے سکے۔یہ خانقاہ کہلاتی ہے۔اس وقت بھی خانقاہ یہی ہوتی تھی۔اس وقت تو بارہ ہزار خانقاہیں تھیں۔اب اگر صحیح خانقاہوں کو گن لیا جائے پوری دنیا میں بارہ ہزار نہیں ملیں گی۔تو ایسی صورت میں برائی بڑھے گی یا کم ہو گی؟ دیکھیں جتنا گند زیادہ ہوتا ہے تو صابن،تولیے اور پانی کی ضرورت زیادہ ہوجاتی ہے۔اب اگر گند زیادہ ہو گیا اور صابن، تولیہ اور پانی ناپید ہوجائے تو کیا ہو گا؟ وبائیں پھیلیں گی۔آج کل وبائیں پھیل رہی ہیں یا نہیں پھیل رہیں؟ روحانی وبائیں پھیل رہی ہیں۔آج کل یہ جو موبائل کا دور ہے۔آج کل جو internet کے مسائل ہیں۔آج کل جو television کے مسائل ہیں۔آج کل جو بے راہ روی کا دور ہے۔آج کل جو مادیت کا طوفان آیا ہوا ہے۔یہ ساری کی ساری چیزیں ہمیں کس طرف لے جا رہی ہیں؟ ہم سب کو اللہ تعالیٰ سے دور لے جا رہی ہیں۔فرماتے ہیں دجال کے پاس ایسی چیزیں ہوں گی جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچتے گی اور اس کے ماتھے کے اوپر کافر لکھا ہو گا۔اس کافر لکھے ہونے کے باوجود لوگ اس کے پاس جائیں گے اور وہ اس کے ہو کر رہ جائیں گے اور تباہ ہوجائیں گے۔اب یہ کیا وجہ ہے انسان تصور کر لے جس کے ماتھے پر کافر لکھا ہے۔اس کی طرف کوئی کیسے جائے گا؟ کتابوں میں لکھا تھا سمجھ نہیں آ رہا تھا۔اب جو آج کل حالات آئے ہوئے ہیں کہ کوئی شخص خود کہتا ہے کہ یہ بری چیز ہے اور پھر اس کے اندر چلے جاتے ہیں۔یہی آج کل ہم دیکھ رہے ہیں۔گویا کہ ان باتوں کی بالکل عملی صورت سامنے آ گئی۔اس وجہ

سے آج کل اس سے بچنے کی زیادہ ضرورت ہے۔کیونکہ دجال کے خروج کا وقت قریب آرہا ہے۔اللہ معاف کرے۔اگر ہم نے خود پر محنت نہیں کی۔اصلاحِ نفس نہیں کی اور ہمارے نفس کی خواہشات اس طرح پورے جوبن پر رہیں تو دجال کے لیے ہم تر نوالہ بن جائیں گے۔اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔اس وقت اصلاح کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور یہ جو گنی چنی خانقاہیں ہیں۔جو صحیح کام کر رہی ہیں۔ان میں سے کسی کے ساتھ ہونا بہت ضروری ہے۔اپنی اصلاح کے لیے کسی کو ڈھونڈنا ضروری ہے۔اس کے بغیر کام نہیں ہو گا۔یہ بات آپ ان حضرات سے پوچھیں جو اس کام کے ساتھ لگے ہوئے ہیں کہ وہ پہلے کیسے تھے اور اب کیسے ہیں۔پہلے کیسا محسوس کرتے تھے اب کیسا محسوس کرتے ہیں۔جو لوگ اس کے اندر رہے ہیں انہی سے زیادہ معلومات کر سکتے ہیں اور وہ آپ کے بھائی۔ساتھی ہوں گے آپ ان سے پوچھ لیں۔وہ خود بتائیں گے کہ پہلے ہم کدھر تھے۔مثلاً میں پہلے پشاور یونیورسٹی میں اور engineering college میں engineering کرنے کے لیے گیا تھا۔میں وہاں کسی مدرسے میں داخل ہونے کے لیے نہیں گیا تھا۔نہ کسی اور دینی ادارے کے ساتھ شامل ہونے کے لیے گیا تھا۔نیت تو ہماری engineering کی تعلیم حاصل کرنے کی تھی۔یہ اللہ کا احسان ہوا کہ مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے شخص وہاں پر موجود تھے اور کچھ لوگوں نے ہماری رہنمائی کی اور ہم وہاں تک پہنچ گئے۔بس پھر ہمارے دل نے گواہی دی کہ یہ جگہ بیٹھنے کی ہے اور یہ ہماری خوش قسمتی تھی۔یہیں اللہ پاک نے ہمارے لیے سعادت لکھی ہوئی تھی۔لہٰذا آج کل کے دور میں جو جہاں پر بھی ہے۔اس کو تلاش کرنے سے مربی مل ہی جاتا ہے اور یہ بھی میں عرض کرتا ہوں کہ ہر جگہ لوگ ہوتے ہیں۔بس ڈھونڈنے پڑتے ہیں۔میں امریکہ چلا گیا۔صرف ایک رات میں نے ہوٹل میں گزاری۔جہاں پہلے سے ایک رات کے رہنے کے لیے booking ہو چکی تھی۔اگلے دن اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اُس علاقے کی بہترین جگہ پر اللہ پاک نے مجھے بھیج دیا۔مجھے ہوٹل جانے کی ضرورت نہیں پڑی۔میں نے ہوٹل والے سے اپنا معاملہ بے باک کر دیا اور میں وہاں پر

پہنچ گیا۔کسی بھی جگہ چلے جاؤ۔Moscow چلے جاؤ۔آپ کے دل میں یہ خیال ہو کہ میں نے اچھے لوگوں کے ساتھ ہونا ہے۔میں نے غلط لوگوں کے ساتھ نہیں ہونا۔اللہ پاک آپ کو وہاں تک پہنچا دیں گے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ جو میرے راستے میں مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ضرور بالضرور میں ان کو ہدایت کے راستے پر لے آؤں گا۔اللہ پاک اپنے وعدے کو پورا فرماتے ہیں۔وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں فرماتے۔لہٰذا ہم لوگ آج کوشش کرلیں۔دل سے ٹھان لیں کہ اب ہم نے اپنے آپ کو بدلنا ہے اور اس کے لیے ایسے ماحول کو تلاش کرنا ہے۔ان شاءاللہ، اللہ پاک نصیب فرمائے گا۔

سوال : 2

جب ہم تصوف کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔تو بعض لوگ ایک سیدھی سی بات کرتے ہیں کہ شریعت یہ ہے "**لا الٰہ الا اللہ**" اور طریقت یہ ہے کہ **لا** موجود " **الا اللہ**" اب یہ ایسی confusing قسم کی statement ہے جو ابھی آپ نے رہنمائی فرمائی ہےاور یہ جو میں نے ابھی بات کی ہے۔اس کے بارے میں ذرا comparison کر کے تھوڑی سی وضاحت کر دیں۔

جواب : 2

میرے خیال میں لوگوں نے اپنی طرف سے کوئی بات بنائی ہو گی۔ہم نے جو سنا ہے۔وہ بتا دیتا ہوں۔گو کہ اس قسم کی ایک بات موجود ہے۔لیکن وہ اس سے مختلف ہے۔وہ یہ ہے کہ " **لا اِلٰہ اِلا اللہ**" طریقت ہے اور " **محمد رسول اللہ**"شریعت ہے یعنی" **لا اِلٰہ اِلا اللہ**"میں آپ ہر کام اللہ کے لیے کرتے ہیں۔آپ اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ"**لا الٰہ الا اللہ**" میں آپ اللہ کے ساتھ تعلق مربوط کریں اور" **محمد رسول اللہ**"آپ ﷺ ہی کہ ذریعے ہمیں احکامات ملے ہیں۔تو آپ ﷺ کے پیچھے جانا شریعت ہے۔اب اس میں لِلّٰہیت کو پیدا کرنا ہے۔میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر کام ہمیں آپ ﷺ کے طریقے پر کرنا ہے۔یہ "**محمد رسول اللہ**" ہے اور ہر کام کو اللہ کے لیے کرنا ہے۔یہ "**لا اِلٰہ اِلا اللہ**

"ہے۔پھر میرے خیال میں لوگ اس کا کوئی next version لائے ہوں گے۔"**لا**" موجود" **الا اللہ**"اس کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔وہ اصل میں اس کو وحدت الوجود کہتے ہیں۔وحدت الوجود ایک اچھی چیز تھی۔ صحیح چیز تھی۔ابھی میں ان شاءاللہ تھوڑی دیر میں اس کی تشریح کروں گا۔تو آپ سمجھ جائیں گے کہ وہ تو بہت اچھی چیز تھی۔لیکن جو لوگ برا ہونا چاہتے ہیں۔وہ ہر اچھی چیز کو برا کر سکتے ہیں ان کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔علامہ اقبال نے کہا کہ:

"تاویل سے قرآن کو بنا دیتے پاژند"

مطلب یہ ہے کہ تاویلات کرنا شروع کر دیں۔اس کی تو کوئیlimit نہیں ہے۔وہ اچھی چیز اس طرح تھی کہ آپ باہر چلے جائیں۔دوپہر کے وقت سورج چمک رہا ہو۔تو کیا آپ کو ستارے نظر آئیں گے؟ کیا ستارے موجود نہیں ہیں؟ موجود تو ہیں نظر نہیں آتے۔اسی طریقے سے جن کے دل پر اللہ کی محبت کی تجلی صحیح معنوں میں پڑ جائے ان کو پھر اللہ کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا۔حالانکہ اللہ بھی موجود ہے۔مخلوقات بھی موجود ہیں۔لہذا وہ جو وحدت الوجود کہتے ہیں اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ مجھے اللہ کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آتا۔یہ نہیں کہ اور کوئی موجود نہیں ہے۔موجود ہیں لیکن مجھے نظر نہیں آتے اور یہ بالکل ممکن ہو سکتا ہے۔سب محبتوں میں یہ چیز شامل ہے۔جو بھی کسی چیز کا عاشق ہے۔مثلاً دنیا کا کوئی عاشق ہے۔کیا اس کو آخرت نظر آئے گی؟ اس کو آخرت نظر نہیں آئے گی۔اس کو ہر چیز میں دنیا نظر آئے گی۔جس چیز کا بھی کوئی عاشق ہے تو وہ صرف اپنے معشوق کو دیکھے گا۔کسی اور چیز کو نہیں دیکھے گا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتنی محبت پیدا کرلو کہ تمھیں کوئی اور نظر ہی نہ آئے اور یہی وہ تکمیل ہے۔میں ایک بات عرض کرتا ہوں جس کو ہم حجابِ نفس (عُجب) کہتے ہیں۔مثلاً میں نماز پڑھوں اور میں سمجھوں کہ میں بہت اچھا ہوں یا میں روزہ رکھ لوں اور میں سمجھوں کہ میں بڑا اچھا ہوں۔اب اندازہ کرلیں یہ کس کو نہیں ہو گا؟ یہ ہر ایک کو ہو گا۔حالانکہ حدیث شریف

میں ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جو جس امر کی وجہ سے اپنے آپ کو اچھا سمجھ رہا ہے۔وہ اسی وجہ سے اللہ پاک کی نظروں سے گر جاتا ہے۔اب اندازہ کریں اس سے کیسے بچے گا اس سے بچنے کی ایک تجویز ہے کہ اللہ پاک کے ساتھ اتنی محبت پیدا کرلو کہ تمہیں اس کے علاوہ کوئی اور چیز نظر ہی نہ آئے۔جب یہ صورت حال ہو گی تو آپ کو اپنا عمل بھی نظر نہیں آئے گا۔لہٰذا اس چیز سے آپ بچ جائیں گے تو یہ تکمیل کا درجہ تھا۔لیکن لوگوں نے پتہ نہیں اس کو چیستان بنا دیا۔اس لیے کہتے ہیں کہ تصوف کی کتابوں کو بغیر رہنمائی کے نہیں پڑھنا چاہیے۔یہ دو دھاری تلوار ہے۔یہ ایک طرف اگر کاٹ کرتی ہے تو دوسری طرف بھی کاٹ کرتی ہے۔لہٰذا ان کو کسی کی رہنمائی میں پڑھنا چاہیے۔تصوف سے انکار نہیں ہے۔لیکن چونکہ یہ باطن سے تعلق رکھتا ہے اور باطن میں ہمارا نفس interfere کرتا ہے۔مثلاً آپ کا meter اگر faulty ہو جائے تو کیا آپ اس سے reading لے سکیں گے؟ reading آپ کی آئے گی بھی تو خراب آئے گی۔اسی طریقے سے اگر ہم نفس زدہ ذہن سے کسی چیز کا analysis کریں گے۔result غلط آئے گا۔پہلے اپنے آپ کو صاف کرلیں۔﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰﴾ انسان اپنے آپ کو صاف کر لے۔اپنے نفس کا تزکیہ کرلے۔پھر اس کو اللہ بھی نظر آجائیں گے۔اللہ کے احکامات بھی نظر آجائیں گے۔شریعت بھی نظر آجائے گی۔طریقت بھی نظر آجائے گی اور پھر اس کے بعد اس کو سب کچھ نظر آجائے گا۔آخرت کی چیزیں بھی نظر آئیں گی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ملفوظ ہے۔فرمایا کہ اگر جنت اور دوزخ میرے سامنے لائی جائیں۔میرے ایمان میں ذرہ بھر بھی اضافہ نہیں ہو گا۔کیونکہ وہ چیز پہلے سے حاصل کرچکے ہوتے تھے۔تو اگر کوئی اسے حاصل کرلے تو پھر اس کو سب کچھ نظر آئے گا۔

مختصرات سلوک

جبلت اور نفس کے درمیان فرق

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک نفس ہوتا ہے اور ایک اس کی جبلت ہوتی ہے۔ جبلت میں عناصر اربعہ کا اثر ہوتا ہے۔ آگ، پانی، ہوا اور مٹی۔ ہر شخص میں ان کی مختلف ترکیب ہوتی ہے۔ اس لیے سیر الی اللہ کی تکمیل کے بعد بھی یہ باقی رہتے ہیں۔ جیسے بعض جلالی ہوتے ہیں۔ بعض جمالی وغیرہ۔ ان طبیعتوں کی مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف رنگ ہوتے ہیں اور اقوام کے مزاج بھی اسی کے لحاظ سے ہیں۔ اس لیے مشائخ کو ان کی معرفت ہونی چاہیے۔ کیونکہ ان طبیعتوں کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ تبدیل کر سکتا ہے جبلت نہیں۔ اس لیے علاج نفس کا ہوتا ہے۔ جبلت کا نہیں۔ جیسا کہ ارشاد مبارک ہے:

﴿عَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ نَتَذَاكَرُ مَا يَكُوْنُ اِذْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهٖ فَصَدِّقُوْهُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَيَّرَ عَنْ خُلُقِهٖ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ يَصِيْرُ اِلٰى مَا جُبِلَ عَلَيْهِ﴾ (رواہ مسند احمد بن حنبل) حضرت ابودرداء فرماتے ہیں کہ ہم سرکار دو عالم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے، آئندہ وقوع پذیر ہونے والی باتوں پر گفتگو کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے (ہماری باتوں کو سن کر) فرمایا۔ جب تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے سرک گیا ہے تو اسے سچ مان لو لیکن جب تم یہ سنو کہ کسی آدمی کی خلقت بدل گئی ہے تو اس کا اعتبار نہ کرو اس لیے کہ انسان اسی چیز کی طرف جاتا ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔"

اس حدیث شریف میں جبلت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ نہیں بدلا کرتی۔ البتہ قرآن پاک میں نفس کی تربیت کا ثبوت موجود ہے۔ کیونکہ نفس کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ "یقیناً کامیاب ہو گیا

جس نے نفس کو رذائل سے پاک کیا"۔اس سے پتا چلا کہ ایک تو ہر انسان کی وہ طبیعت ہے جس پر اس کو پیدا کیا جاتا ہے۔جیسا کہ اس حدیث شریف میں یہ خبر موجود ہے کہ جس جبلت پر کسی کو پیدا کیا جاتا ہے وہ بالآخر اسی طرف جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی قرآن میں نفس کی تین قسمیں نفس امارہ۔ نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ بیان فرما کر اس کی تربیت کا امکان بیان کیا ہے اور اصل کامیابی بھی اسی پر بتائی گئی ہے۔اس لیے بظاہر یہ لگتا ہے کہ جو طبیعت نہیں بدلتی اس کو اگر ظرف مان کر چار عناصر کا مرکب قرار دیا جائے اور اس میں جو موجود ہے وہ مظروف بصورت رذائل عناصر اربعہ سے ترکیب پاگیا ہے۔ظرف تو نہیں بدلتا لیکن اس کا مظروف بدلا جا سکتا ہے۔اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان ان رذائل کو صاف کرنے کا مکلف ہے۔کیونکہ یہی اس کی تربیت ہے۔ لیکن اس ظرف کو نہیں بدلا جا سکتا۔اس لیے جب وہ شریعت پر عمل کرتے ہوئے اپنی جبلت کی مخالفت کرتا ہے تو یہ اس کا مجاہدہ ہے۔ جس پر اس کو اجر ملتا ہے۔ گویا کہ تربیت سے اس نے تقویٰ کا مقام حاصل کرلیا اور جبلت سے شریعت پر عمل کرنے کا اجر حاصل کرتا ہے۔

تربیت میں بھی جو مظروف ہے وہ عناصر اربعہ سے چونکہ تشکیل پا چکا ہے اس لیے علاج بالضد کے طور پر ہر ایک کے لیے اِتنا مجاہدہ اس کو کرنا پڑتا ہے جس سے اس کا جو عنصر جتنا اعتدال سے باہر ہے وہ اعتدال پر آجائے۔ پس نفس کا بگاڑ تو مجاہدہ کے ذریعے درست کیا جا سکتا ہے لیکن جبلت کی بے اعتدالی مجاہدہ سے درست نہیں ہوتی۔ البتہ اس کی وجہ سے جو مجاہدہ کرنا پڑتا ہے وہ اجر کا باعث ہوتا ہے۔ معصومین کا معاملہ اس میں مختلف ہے ان کی جبلت میں اعتدال ہوتا ہے لیکن دوسروں کی بے اعتدالی ان کے لیے مجاہدہ بنتی ہے۔

یہ سب کچھ یونانی حکماء کی اصطلاحات کے مطابق بتایا گیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک عناصر چار تھے۔ آج کل جو عنصر کی تعریف ہے اس کے مطابق نہیں۔اس طرح اگر کہا جائے کہ چار طبیعتیں تھیں تو وہ بھی اس وقت کے یعنی یونانی حکماء کی تحقیق کے مطابق تھیں۔ البتہ یہ ہر وقت کہا جا سکتا ہے کہ ہر

شخص کی جبلت کچھ خوبیوں اور کچھ خامیوں کا مجموعہ ہوتی ہے جس کی لاتعداد ترکیبیں بن سکتی ہیں۔اس لیے کسی کی جبلت میں جو خامیاں اور خوبیاں ہوتی ہیں وہ برقرار رہتی ہیں اور جن کا نفس، نفس مطمئنہ بن چکا ہو وہ ان خامیوں کے خلاف کام کرتا ہے جس سے وہ اجر پاتا ہے اور جو خوبیاں ہوتی ہیں ان کے ذریعے شرور سے بچا رہتا ہے۔

اذکار کا گرم اور سرد ہونا

جہاں تک اذکار کے گرم اور سرد ہونے کی بات ہے۔اس کے بارے میں جتنی باتیں ہیں وہ تجرباتی ہیں۔اس لیے نہ تو اس کا انکار ہے اور نہ ان پر اصرار ہے۔البتہ چونکہ طبعیتیں بھی مختلف ہیں اس لیے مختلف اذکار کا مختلف لوگوں پر مختلف اثر ہو گا۔اس لیے اس کے لیے کوئی حتمی قاعدہ کلیہ بنانا آسان نہیں۔تاہم یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ شیخ کامل ہوتا ہی اس لیے ہے کہ وہ مرید کا مزاج اور اس کے حالات دیکھ کر علاج کرے۔کسی کو مجاہدہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔کسی کو ذکر مراقبہ کی۔ان میں بھی وقت کے ساتھ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔حضرت حلیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی شیخ کو کشف نہ بھی ہوتا ہو لیکن اگر وہ کامل ہو تو اس کو مرید کے بارے اتنا کشف ہو جاتا ہے جتنی کہ ضرورت ہوتی ہے۔ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دن کسی نے ﴿جو باہر جا رہا تھا﴾ پوچھا کہ کیا میں" اللہ اللہ" کر لیا کروں؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں کرو۔وہ باہر نکل گیا تو بعد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو واپس بلایا اور فرمایا کہ نہیں تم" اللہ اللہ" کرنے کی بجائے درود شریف پڑھا لیا کرو۔خود میرا ذکر مدت دراز تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے" 100 دفعہ لاالٰہ الا اللہ" "100 دفعہ اللہُ اللہ""100 اللہ"۔سے زیادہ نہیں بڑھایا۔میرے بار بار درخواست کرنے کے باوجود فرماتے، کیا تیرے پاس وقت ہے؟ اور نہیں بڑھایا کرتے۔اس کے بعد" الا اللہ 100 دفعہ" کا اضافہ فرمایا اور کچھ عرصہ کے بعد پھر اچانک ایک دن فرمایا جو ذکر کرنا چاہو اور جتنی مرتبہ چاہو کر سکتے ہو۔اس وقت میرے

مراقبات خود بخود شروع ہو گئے تھے۔

سلسلے کی ہی برکات ہیں سب
یہ اپنے قلب کے جو حالات ہیں سب

لینا اس سے لینا جی بھر کے لینا
کہ یہ بے شک نوادرات ہیں سب

برکت ہے یہ اپنے بزرگوں کی
جو تحریرات و بیانات ہیں سب

اپنے اللہ کا ہے یہ فضل سارا
اترے جو قلب پہ الہامات ہیں سب

نفس و قلب اور عقل کے واسطے شبیرؔ
کیا خوب ذرائع نجات ہیں سب

تعلیمات مجددیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝

آج بدھ کا دن ہے اور بدھ کے دن ہمارے ہاں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف کا درس ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ کا بہت شکر ہے کہ اللہ پاک نے حضرت کے مکتوبات شریف کا ایک دور مکمل کروا دیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اب اس کا دوسرا دور شروع ہونے والا ہے اور اس میں ہمارا ارادہ ہے کہ topic wise یعنی عنوان کے لحاظ سے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کو سامنے لائیں۔ پہلے مکتوبات شریف کے عنوان سے دروس ہو رہے تھے۔ چونکہ مکتوبات۔ مکتوب الیہ کے حال کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس لیے ان میں یہ ترتیب تھی کہ جن کو خط لکھا گیا ہے ان کی حیثیت کے مطابق جواب ہوتا تھا۔ اگر کوئی عالم ہے تو ان کو عالمانہ جواب ملتا تھا اور اگر کوئی عامی ہے تو عمومی جواب ملتا تھا اور ہر ایک سے اس کے حال کے مطابق بات ہوتی تھی۔ کوئی محقق ہوتا تو ان کے ساتھ تحقیق کی بات ہوتی۔ کسی کو عمل کی دعوت دینی ہوتی تو اس کو عمل کی دعوت دی جاتی۔

لیکن عوام میں سب کا حال ایک جیسا نہیں ہوتا۔ اس لیے ہمیں کچھ ایسا کام کرنا پڑے گا جس سے عوام و خواص سب کو مجموعی طور پر فائدہ ہو۔ اس کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ جس عنوان پر حضرت نے جو بتایا ہے۔ جہاں جہاں بتایا ہے۔ ہم اس میں تکرارات کو ختم کر دیں اور حضرت کی آخری بات۔ آخری تحقیق سامنے لے آئیں۔

پہلے مرحلہ میں ہم تکرارات کو حذف کر دیں گے۔ جیسے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے 11 حضرات کو ایک ہی عنوان پہ خطوط بھیجے ہیں۔ ہم اس عنوان سے متعلق مضامین کو ان 11 خطوط سے اس طریقہ سے جمع کریں گے کہ جو بات سب مکتوبات میں مشترک و مکرر ہے وہ کسی ایک مکتوب سے لے لیں گے اور باقی باتیں جو مکرر نہیں ہیں وہ سب مکتوبات سے لیں گے۔ اس طریقہ سے ایک تحقیق جمع ہو جائے گی اور اس موضوع کے بارے میں حضرت کی

ایک مفصل بات سامنے آ جائے گی۔

آج کل یہ اس لیے ضروری ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات سے فائدہ اٹھانے والے حضرات دو قسم کے ہیں۔ایک وہ ہیں جو حضرت کے اس مشن کو سمجھ گئے ہیں اور انہوں نے وہی کیا جو حضرت چاہتے تھے۔ عملی لحاظ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر آگئے۔دوسرے وہ ہیں جو صرف ان باتوں میں رہ گئے جو حضرت کے حال کے مطابق بہت اونچی اونچی باتیں تھیں۔وہ صرف وہی اونچی اونچی باتیں ہی کرتے رہے۔ عمل پہ نہیں آئے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری مکتوب میں جو بات کی ہے وہ بہت واضح ہے۔ابھی ان شاء اللہ میں وہی بات عرض کروں گا۔

حضرت نے بہت وضاحت کے ساتھ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے طریقے پر ارشاد فرمایا ہے۔یہ **مکتوب** نمبر 207 ہے دفتر اول حصہ دوم۔

اہل سنت والجماعت کے عقائد تعلیمات مجددیہ کے روشنی میں

تصوف سے کیا مقصود ہے؟

مکتوب 207 دفتر اول حصہ دوم میں فرماتے ہیں کہ

متن: "صوفیائے کرامؒ کے طریقے پر چلنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ کا جو کہ ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو جائے۔اس کے علاوہ اور کوئی امر مقصود نہیں ہے"

تشریح: یہ حضرت نے بالکل final بات کی ہے اور یہ بہت سارے مکتوبات شریفہ میں ہے۔سب جمع کیے جا سکتے ہیں۔

معتقدات شرعیہ کے دو جز ہیں۔ایک جو ایمان کی حقیقت ہے۔اس کا یقین کامل حاصل ہو جائے۔یہ معرفت ہے۔دوسرا۔احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو جائے۔یہ عمل ہے۔کام اللہ کی رضا کے لیے کرنا ہے اور حضور ﷺ کے طریقہ کے مطابق کرنا ہے۔حضور ﷺ کا طریقہ ہی شریعت ہے اس لیے شریعت کو سمجھنا بھی ضروری ہے اور شریعت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

شریعت پر عمل کرنے میں دو رکاوٹیں ہیں۔یہ رکاوٹیں صرف میرے اور

آپ کے ساتھ نہیں ہیں۔سب کے ساتھ ہیں۔ہر شخص نفس امارہ کے ساتھ پیدا ہوتا ہے ہر شخص کا شیطان اس کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ حتی کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ بھی شیطان پیدا ہوا ہے؟ فرمایا: ہاں! لیکن میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے۔اگر آپ ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہے تو سب کے ساتھ ہوا ہے۔

معلوم ہوا کہ شیطان بھی سب کے ساتھ پیدا ہوتا ہے نفس امارہ بھی سب کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔اس نفس کو نفس امارہ سے نفس مطمئنہ بنانا ہوتا ہے۔ تاکہ انسان عمل کر سکے اور شیطان سے بچنا ہوتا ہے۔اس کی بات نہیں مانی ہوتی۔اگر نفسِ مطمئنہ حاصل ہو جائے تو شیطان سے بچنا ممکن ہو جاتا ہے۔

تصوف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ایک تو ہمیں اعلیٰ درجے کا یقین حاصل ہو جائے کہ ہمارا عقیدہ بالکل صحیح ہو اور اللہ تعالی کی ذات پر کامل یقین ہو۔ آخرت پر کامل یقین ہو۔ آپ ﷺ پر۔ تمام پیغمبروں پر۔ الغرض جو ہمارے ایمان کے تقاضے ہیں ان پر ہمارا کامل یقین ہو۔معتقدات شرعیہ ان کو کہتے ہیں جن کو ایمان مفصل میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسری بات شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔یہ تب آسان ہو گا جب ہمارا نفس۔ نفسِ مطمئنہ ہو جائے گا۔یہ دو کام تصوف کے بنیادی کام ہیں۔

شریعت پر عمل آسان ہونا سیر الی اللہ کے ذریعے سے ہوتا ہے۔جب کہ سیر فی اللہ کی کوئی حد نہیں ہے۔وہ ہر شخص کے اپنے اخلاص پر منحصر ہے۔ جیسے حضرت نے مکتوب نمبر 36 میں فرمایا تھا کہ طریقت اور حقیقت یہ دونوں شریعت کے خادم ہیں۔کیونکہ اس کے ذریعہ سے اخلاص حاصل ہوتا ہے اور اخلاص کے ذریعہ شریعت پر عمل کرنا ہوتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم لوگ ان دو بنیادی چیزوں پر زور دیں۔ حضرت کے تمام مکتوبات شریف کا لب لباب یہی ہے۔

الحمد للہ، اللہ کا شکر ہے۔ تحدیث نعمت کے طور پہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت کے تمام مکتوبات شریفہ ہماری نظر سے گزرے ہیں۔نہ صرف گزرے بلکہ لوگوں کے سامنے پیش کئے اور سب کا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے۔اس

لیے حضرت کی ہر قسم کی بات ہمارے سامنے آگئی ہے۔اب ان سے ہم نچوڑ لے سکتے ہیں اور ہمیں اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ہماری کوششوں و کاوشوں کا محور یہی ہے۔

اب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ الحمد للہ حضرت کی تعلیمات کا لب لباب یہی ہے کہ بنیادی چیزیں یہ دو ہیں۔ان دو کے علاوہ تیسری چیز نہیں ہے۔

ماشاءاللہ ہمارے اس طریق میں یہ بہت بڑی پیش رفت ہے کہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور باقی مشائخ کی approach الگ نہیں ہے۔ایک ہی ہے۔بعض لوگوں کو بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ہمارے ایک دوست نے پوچھا تھا کہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی approach بالکل مختلف ہے۔یہ کیا بات ہے؟ میں نے اس وقت کہا کہ جو مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی approach اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی approach میں تنزیہ کو جان نہیں سکتے۔وہ اللہ تعالٰی کی تنزیہ کو بھی نہیں جان سکتے۔کم از کم یہ جاننا چاہیے کہ اصل بنیاد کیا ہے۔دونوں کیا چاہتے ہیں۔حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل اخیر میں وہی بات فرمائی ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی انفاس عیسٰی کا درس بھی الحمد للہ تقریبا 14 سال ہم regularly کرتے رہے ہیں۔حضرت کے ارشادات بھی ہمارے سامنے آئے ہوئے ہیں۔ان کا خلاصہ و نتیجہ بھی یہی ہے۔میں ابھی دکھا سکتا ہوں۔باہر ایک تختی ہم نے اول روز سے لگائی ہوئی ہے۔یہ بھی حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب شریف لکھا ہوا ہے۔دونوں پڑھ کے سناتا ہوں۔اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ دونوں ایک ہیں یا نہیں ہیں۔

انفاس عیسٰی میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ شریف روحِ طریق کے عنوان سے ہے۔فرماتے ہیں " مقصود تو رضائے حق ہے۔"

دیکھو! پہلی بات کون سی کی۔؟

مقصود تو رضائے حق ہے۔اب دو چیزیں رہ گئیں طریق کا علم اور اس پر عمل۔سو طریق صرف ایک ہے یعنی احکام ظاہرہ اور باطنہ کی پابندی۔اس طریق کے معین دو چیزیں ہیں ایک ذکر جس پر دوام ہو سکے۔دوسری صحبت اہل اللہ

کی۔ جس کثرت سے مقدور ہو اور کثرت سے فراغ نہ ہو تو بزرگوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ اس کا بدل ہے۔ دو چیزیں طریق یا مقصود کے مانع ہیں یعنی معاصی اور فضول میں مشغولی۔ ایک امر ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے یعنی اطلاع حالات کا التزام۔ اس کے بعد اپنی استعداد ہے۔ حسب اختلاف استعداد مقصود میں دیر سویر ہو جاتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ مقصود رضائے حق ہے۔ اب ایک اس کا علم ہے اور دوسرا اس پر عمل ہے۔ علم کو حاصل کرنے کے لیے علم کا ذریعہ اختیار کرو اور عمل کے لیے عمل کے ذرائع اختیار کر لو۔ عمل میں احکام ظاہرہ اور باطنہ کی پابندیاں ہیں۔ یہ شریعت ہے۔ اس شریعت پر عمل کرنے کے لیے آسانی پیدا کرنی چاہیے۔ جیسے حضرت نے فرمایا کہ معتقدات شرعیہ پر عمل کرنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔ آسانی پیدا کرنے کے لیے ایک ذکر ہے جو دل کی اصلاح کرتا ہے اور دوسری اہل اللہ کی صحبت ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی صحبت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اور کثرت سے بزرگوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ اس کا بدل ہے اور پھر دو چیزیں طریق مقصود کے مانع ہیں یعنی معاصی اور فضول میں مشغولی۔ اس سے بچنا ہے۔ ان میں ایک ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے۔ ان حالات کا انتظام جو سلوک طے کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

اس میں سب کچھ آگیا۔ اس کے بعد اپنی استعداد ہے۔ حسب اختلاف استعداد دیر سویر ہو جاتی ہے۔

یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف آگیا۔ اب حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف سنیں۔

یہ دفتر دوم کا **مکتوب نمبر 31** ہے۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی نے خواجہ شرف الدین حسین کی طرف وعظ و نصیحت کے طور پر صادر فرمایا۔

مختصر ترین مکتوب ہے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط اے فرزند عزیز! فرصت کے لمحات غنیمت ہیں چاہیے کہ بیکار کاموں میں صرف نہ ہوں "

دیکھو! فضولیات سے بچنے کا فرمایا۔"بلکہ فرصت کے تمام اوقات حق جل و علا کی خوشنودی کے مطابق صرف ہوں"

رضا والی بات آگئی اور طریقہ کار کے بارے میں فرماتے ہیں:

"پانچوں وقت کی نماز جمعیت (قلب) کے ساتھ با جماعت اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کریں اور نماز تہجد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ صبح کے وقت استغفار نہ چھوڑیں۔"

ذکر والی بات بھی ہو گئی۔

"اور خواب خرگوش سے لذت حاصل نہ کریں اور عارضی و فانی آسائشوں پر فریفتہ نہ ہوں۔" یہ دل کو صاف رکھنا ہے۔

"موت کے ذکر اور آخرت کے خوف کو اپنا نصب العین بنائیں۔"

یہ یقین والی بات ہے۔

" مختصر یہ کہ دنیا سے روگردانی اختیار کریں اور آخرت کی طرف متوجہ رہیں اور بقدر ضرورت دنیا کے کاموں میں مشغول ہوں اور باقی تمام اوقات کو آخرت کے کاموں کی مشغولی سے معمور رکھیں۔حاصل کلام یہ کہ دل غیر اللہ کی گرفتاری سے آزاد ہو جائے اور ظاہر احکام شرعیہ سے آراستہ و مزین ہو جائے "

"کار این ست و غیر ایں ہمہ ہیچ"

یہ کام ہے اور اس کے علاوہ سارا آگے پیچھے کچھ بھی نہیں۔

آخری فقرہ کتنا اہم ہے! کار ایں است۔اصل میں تو یہی کام ہے۔وغیر ایں ہمہ ہیچاور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ حضرت مجدد صاحب اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کی تعلیمات کا خلاصہ ایک ہی نکلا۔الحمد للہ۔کیوں کہ منبع ایک ہے۔دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشمۂ فیض سے سیراب ہیں۔لہٰذا باتوں میں اختلاف کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں! یہ کہہ سکتے ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ بات چیت میں فرق آ جاتا

ہے۔اب چونکہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں ایک بہت بڑا فتنہ یہ تھا کہ دین کے رنگ میں بے دینی۔تصوف کے رنگ میں تصوف سے فرار والی بات تھی۔اس وقت حضرت مردانہ وار مقابلہ کر کے دین کو اصل صورت پر لے آئے۔یہ حضرت کا بہت بڑا کام تھا حضرت نے شرعی تشریحات بھی کیں اور ساتھ ساتھ سلوک میں اور تصوف میں لوگوں نے جو گڑ بڑ پھیلائی تھی وہ بھی دور کی۔اس وجہ سے حضرت نے بالکل بنیادی چیزیں سب کو بتا دیں اور جہاں جہاں۔جس جس ذریعہ سے گڑ بڑ ہوئی تھی۔اس اس ذریعہ سے اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔مثلاً کسی نے فلسفے کی گڑ بڑ کی تھی تو فلسفے (جو کلام کا موضوع ہے) کے رد کے طور اس کے ذریعہ سے اس کی تصحیح فرما دی۔یہ (فلسفہ والی) اصل میں عوام کے لیے نہیں تھی۔عوام کے لیے تو یہی بات تھی جو ابھی میں نے سنا دی۔عوام کے لیے حضرت کی فکر اتنی تھی۔باقی تشریحات سب خواص کے لیے تھیں۔تاکہ وہ جہاں جہاں پھنسے ہوئے ہیں۔وہاں سے نکل آئیں۔جہاں جہاں ان کے اشکالات ہیں ان کو جواب مل جائیں۔کیونکہ یہ بات اگر آپ بہت بڑے خواص کو بتا دیں۔وہ کہیں گے یہ تو مجھے پہلے سے پتہ ہیں۔لیکن جہاں وہ پھنسے ہیں۔وہاں سے نہیں نکلیں گے۔ان کو نکالنے کے لیے انہی کی زبان میں بات کرنی پڑے گی۔

حضرت نے تمام تفصیلات بتا دیں۔اب inventing the wheel- again والی بات کہ ہم لوگ بھی وہی چیز جو حضرت کی دریافت شدہ ہے۔دوبارہ دریافت کرلیں۔ہمارے پاس تو میدان عمل ہے۔ہم میدان میں آئے ہیں عمل کریں۔وہی جو حضرت کا نچوڑ ہے وہ بتا دیں اور اس پر عمل کر لیں۔یہ اس وقت ہمارے تمام کام کی بنیاد ہے۔

ہم نے ان تمام مکتوبات سے گزرنے کے بعد یہ جو کام شروع کیا ہے یہ اصل کام ہے۔اب تک مکتوبات شریف کا جو مطالعہ ہوا ہے۔ہمیں اُس کا fruit ملے گا۔ان شاء اللہ۔کیونکہ اب اس کو ہم موجودہ حالت کے مطابق اور موجودہ دور کے لوگوں کی سمجھ کے مطابق لانے کی کوشش کریں گے۔تاکہ ہم اس سے

خود استفادہ کرلیں اور دوسرے لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

اس وقت ہمارا جو دوسرا phase شروع ہو گیا ہے۔اِس کی بنیاد اس پر ہے کہ ہم لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔کیونکہ وہ چیزیں جو مکتوبات شریفہ میں تھیں وہ خواص کے لیے تھیں۔خواص سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے خاص پیغام تھا جس کا جو حال تھا اس کے مطابق تھا۔لیکن اب ہم سب لوگوں کے لیے اس سے یہ پیغام نکال سکتے ہیں کہ ہم تکرارات کو حذف کر کے اس کا اصل اور آخری پیغام سامنے لے آئیں۔یہ اس وقت ہمارا کام ہے۔اللہ تعالی ہمیں کامیاب فرما دے (آمین)۔بہر حال اب اللہ کا نام لے کر شروع کرتے ہیں۔

مکتوب 207 دفتر اول حصہ دوم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

متن: "صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے طریقے پر چلنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ کا جو کہ ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو جائے اس کے علاوہ اور کوئی امر مقصود نہیں ہے"

تشریح: دو باتیں ہو گئیں معتقدات شرعیہ اور عمل۔دونوں میں سے پہلے زور معتقدات و عقائد پر ڈالا گیا ہے۔عقائد پر حضرت کے تین مکتوبات شریف ہمیں ملے ہیں۔ان کو ہم سامنے لا رہے ہیں۔ان میں دو مکتوبات۔مکتوب نمبر17 اور مکتوب نمبر 87 نسبتاً عوام کے لیے ہیں اور مکتوب نمبر 266 حضرت نے اپنے شیخ کے صاحبزادگان کو لکھے ہیں۔ان میں کلامی موضوعات کے انداز میں عقائد کا بیان ہے۔اس وجہ سے ہم اس کو علیحدہ رکھ رہے ہیں۔اس کو علیحدہ طریقے سے بیان کریں گے اور یہ جو عوام والے ہیں ان کو ہم علیحدہ طریقے سے بیان کریں گے۔اس میں ہم لوگ کوشش کریں گے کہ تکرارات نکال لیں اور اصل چیز سامنے لائیں۔کیونکہ عقائد تو سب کے ٹھیک ہونے چاہئیں۔اس میں عوام و خواص کی بات تو نہیں ہے۔عوام کا بھی عقیدہ ٹھیک ہونا چاہیے۔خواص کا بھی ٹھیک ہونا چاہیے۔لہذا اس میں تو کوئی فرق نہیں ہو گا۔البتہ یہ الگ بات

ہے کہ خواص جن مسائل میں پھنسے ہوتے ہیں ان سے اُن کو نکالنے کے لیے مزید کچھ بتانا پڑتا ہے۔

مجھے ایک دفعہ حضرت سید تسنیم الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ بات بتانی چاہی کہ اللہ جل شانہ کے لیے نور کا خیال بھی نہیں آنا چاہیے۔کیونکہ اللہ تعالی تمام چیزوں سے بے نیاز ہے۔اس پر میں نے کہا کہ ہمیں تو اس طرف خیال بھی نہیں آتا۔فرمایا ہاں آپ لوگوں نے پڑھا نہیں ہے۔ہم نے پڑھا ہے۔ہمیں یہ خیال آتا ہے۔یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جنہوں نے کتابیں پڑھی ہیں ان کی سوچ الگ ہوتی ہے۔پتہ نہیں وہ کن کن چیزوں سے متاثر ہو چکے ہوتے ہیں۔

آج کل سوشل میڈیا جو کہ ایک ظالم چیز ہے۔اس پر سب قسم کی چیزیں بے محابا آرہی ہیں۔لہٰذا عوام کے پاس prerequisite knowledge ہی نہیں ہوتی وہ بھی بڑے سے بڑے بم کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں۔جو ان کے ایمان کو dynamite کر سکتا ہے۔وہاں جاتے ہیں تو ان کے سامنے کبھی غامدی کی طرف سے بم آتے ہیں۔ کبھی کسی اور طرف سے۔وہاں face تو سب نے کرنا ہوتا ہے۔

جو خواص والی باتیں ہوتی ہیں ان کو نکالنے کے لیے ذرا کچھ مختلف انداز ہوتا ہے۔حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انداز بھی مختلف ہے۔وہ ایک علیحدہ سٹائل ہے۔اس وجہ سے اس مکتوب کو علیحدہ کرنا پڑا۔لیکن ان دو مکتوبات شریفہ کا رنگ ایک ہے۔ایک جو شاہ خان جہاں کی طرف صادر فرمایا تھا اہل سنت والجماعت کے عقائد اور اسلام کے پانچ ارکان اور کلمہ حق کہنے کی ترغیب میں۔یعنی اسلام کی باتیں بادشاہ جہانگیر کے گوش گزار کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

شاہ خان جہان چونکہ جہانگیر کے دربار میں تھے۔لہٰذا ان کو عوامی انداز میں خط لکھا۔تاکہ ان کو بات سمجھ میں آجائےاور دوسرا ایک خاتون جو حضرت کی مریدہ تھیں ان کو عقائد اور اعتقادات کے بارے میں لکھا۔یہ بھی عوامی بات تھی۔یہ دونوں مکتوب ہمارے لیے ایسے ہیں جن کو ہم براہ راست عوام کے سامنے پیش کرسکتے ہیں۔میں نے کوشش کی ہے کہ ان کو پہلے سامنے لاؤں۔

ہم نے چونکہ یہ دروس topic wise کرنا ہیں۔اس لیے عقائد کے chapter

میں پہلا topic ہم نے یہ چنا ہے کہ اللہ جل شانہ کی ذات اور صفات کے بارے میں حضرت کا کیا عقیدہ ہے۔فی الحال اس پر بات کریں گے۔اس موضوع پر حضرت کے مکتوبات سے کچھ collect کرنے کی کوشش کی ہے۔میں بیان کروں گا تو جہاں جہاں ضرورت ہو گی ان شاء اللہ اس کی کچھ تشریح بھی کروں گا۔

متن: چونکہ معتقدات شرعیہ پر یقین کا آنا پہلے مذکور ہے اس لیے ان کا پہلے ذکر کیا جاتا ہے۔اللہ تعالی ہمیں اہل سنت والجماعت کے عقائد میں کمال استقامت کے ساتھ رکھے۔شرع کے مطابق ہر وقت کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالی ان کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں:

مکتوب نمبر 67 عقیدہ نمبر 1 میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

متن: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ قدیم کے ساتھ موجود ہے۔

تشریح: قدیم وہ جو پہلے سے ہوتا ہے۔ازل سے ہوتا ہے۔جیسے ہم لوگ کسی چیز کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم اس کے بارے میں نہیں جانتے۔یہ قدیم ہے۔

متن: اور تمام اشیاء اس سبحانہٗ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں۔

تشریح: حضرت نے اپنے انداز میں یہ بات فرمائی ہے کہ پہلے کچھ بھی نہیں تھا اللہ پاک نے سب کچھ پیدا فرمایا۔

متن: (ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے) اور وہ بلند و برتر ہستی ان کو پیدا کر کے عدم سے وجود میں لائی ہے۔

تشریح: پہلے سے کچھ بھی نہیں تھا عدم سے وجود میں لایا گیا ہے۔

متن: (ان کی اپنی حقیقت عدم ہے) لہٰذا حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور تمام اشیاء حادث اور نوپدید (بعد کی پیدا کی ہوئی) ہیں۔

تشریح: حادث ان چیزوں کو کہتے ہیں جو بعد میں پیدا ہوئی ہیں۔

متن: اور (حق تعالیٰ) جو قدیم و ازلی ہے وہ باقی اور ابدی ہے۔

تشریح: وہ باقی اور ابدی ہے۔باقی سب فانی ہیں۔

متن: اور جو چیزیں حادث اور نو آمدہ (نئی پیدا شدہ) ہیں وہ فانی اور ہلاک ہونے والی ہیں یعنی معرضِ زوال (یعنی زوال کے میدان) میں ہیں(زوال پذیر ہونے والی ہیں)۔

اس طرح **مکتوب** نمبر 17 میں عقیدہ نمبر 1 میں فرماتے ہیں:

یہ وہی مکتوب ہے جو خاتون کے نام لکھا گیا۔

متن: کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ اقدس خود موجود ہے۔

تشریح: یعنی جس کو ہم وجود کہتے ہیں۔ جس وجود کو ہم جانتے ہیں۔وہ وجود ظلی وجود ہے۔اصل وجود کو ہم جانتے ہی نہیں ہیں کیونکہ اللہ جل شانہ کی ذات وراء الوریٰ ہے۔اللہ تعالی کا وجود بھی وراء الوراء ہے۔لہذا اس کو تو ہم جانتے نہیں ہیں۔اس لحاظ سے تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔لیکن یہ وجود جس کو ہم وجود کہتے ہیں۔یہ اللہ پاک کا پیدا کردہ ہے۔عدم سے وجود میں لایا گیا ہے۔

متن: اللہ تعالیٰ بذاتِ اقدس خود موجود ہےاور اس تعالیٰ کی ہستی اپنی خودی سے خود ہے (اپنی موجودگی کے لیے کسی چیز کے محتاج نہیں) اور وہ تعالیٰ جیسا کہ ہمیشہ سے ہے اب بھی ویسا ہی ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا (اس کے لیے ماضی مستقبل اور حال ایک جیسے ہیں)۔عدمِ سابق اور عدمِ لاحق کو اس تعالیٰ کی جنابِ قدس میں کوئی راہ نہیں ہے۔

تشریح: کیوں؟ وجہ کیا ہے؟ قدیم ہے۔ازلی اور ابدی ہے۔نہ end ہے نہ start ہے۔اس وجہ سے ازلی اور ابدی کے لیے تو عدم سابق بھی نہیں ہو گا اور عدم لاحق بھی نہیں ہو گا۔

متن: (کیونکہ وہ ازلی اور ابدی ہے) کیونکہ وجوبِ وجود اس مقدس درگاہ کا کمینہ خادم ہے اور سلبِ عدم اس بارگاہِ محترم کا کمینہ خاکروب ہے۔

تشریح: سلب عدم سے مراد عدم کو ختم کرنا۔

متن: اللہ تعالی ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔نہ اس کے وجوبِ وجود میں۔نہ اس کی الوہیت میں

تشریح: اس کی طرح کوئی واجب الوجود نہیں ہے اور نہ کوئی اس کی طرح "اِلٰہ" ہے۔

متن: اور نہ استحقاقِ عبادت میں۔کیونکہ شریک تو اس وقت درکار ہوتا ہے جب وہ تعالیٰ کافی نہ ہو اور مستقل نہ ہواور یہ نقص کی علامت ہے جو وجوب والوہیت کے منافی ہےاور جبکہ وہ کافی و مستقل ہے تو اس کا شریک بیکار و عبث ہو گا کیونکہ وہ بھی نقص کی علامت ہے جو الوہیت وجوب کے منافی ہے۔لہٰذا شریک کا اثبات دو شریکوں میں سے ایک شریک کے نقص کو مستلزم ہے۔

تشریح: یعنی جب بھی ہم شریک بنائیں گے تو ایک شریک تو ناقص ہی ہو گا۔

متن: جو شرکت کے منافی ہے۔ لہٰذا شرکت کا اثبات شرکت کی نفی کے لیے لازم ہوا اور یہ محال ہے۔

تشریح: جیسے ہم کہہ سکتے ہیں عُجب بزرگی کے لیے مانع ہے۔جیسے ہی عجب ہو گیا بزرگی ختم اور بزرگی ہو گی تو عجب نہیں ہو گا۔

متن: لہٰذا حق سبحانہ و تعالیٰ کا شریک محال ہوا۔(چونکہ وہ اپنی ذات و صفات میں کامل ہے اور نقص کا کوئی امکان نہیں لہٰذا شرکت جو نقص کو دور کر سکتا ہے اس کا امکان بھی نہیں رہا)

خانقاہ کے احوال

1. کرونا وائرس کی وباء کی وجہ سے خانقاہ کے اندر طبی ماہرین کی ہدایات پر بالکل ابتداء ہی سے مکمل عمل درآمد شروع کرایا گیا۔اس وباء سے حفاظت کے لیے خصوصی دعائیں مانگی گئیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

2. ظاہری اسباب کے ساتھ ساتھ باطنی اسباب کو بھی اختیار کیا جارہا ہے۔فجر کے وقت نماز۔درس قرآن اور سیرت کے متعلق سوال و جواب کے بعد حفاظتی دعاؤں کا معمول شروع ہے اور عشاء کے بعد "المنزل الجدید" کی تلاوت کا معمول شروع ہوا ہے۔

3. ظاہری و باطنی حفاظتی اقدامات کے سلسلے میں حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ حفاظتی تدابیر کے اہتمام

کے ساتھ ساتھ عوام کے اندر پھیلے ہوئے خوف و ہراس کو کم سے کم کر دیا جائے۔ساتھ ساتھ مسلمانوں کے عقیدہ کی بھی حفاظت کی جائے تاکہ وہ ظاہری و باطنی حفاظتی تدابیر کو فی نفسہٖ مؤثر سمجھنے کے بجائے ان کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اختیار کریں۔اسباب کو اختیار کرنے کے ضمن میں سورۃ یوسف کی روشنی میں حضرت نے اسباب کے استعمال کی کافی وضاحت فرمائی۔

4. خانقاہ کی ویب سائٹ۔کتابوں۔رسائل وغیرہ کے کاموں کو منظم انداز میں چلانے کے لیے حضرت کی ہدایات کی روشنی میں ساتھیوں کی مختلف ٹیمیں بنائی گئیں اور اُن ٹیموں کے کاموں کا تعین کر دیا گیا ہے۔اسی طرح جدید میڈیا کو شرعی قیود کے اندر استعمال میں لانے کے لیے یوٹیوب چینلز بنائے گئے۔اب الحمد للہ ان چینلز کے ذریعے خانقاہ میں ہونے والے مختلف دروس کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔

5. حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کی تشریح جو کہ 2015ء میں شروع ہوئی تھی۔وہ تشریح الحمد للہ تکمیل تک پہنچ گئی۔اُس کے بعد حضرت کے مکتوبات کا نچوڑ تعلیمات مجددیہ کے نام سے شروع ہو گیا اور وہ بھی الحمد للہ تکمیل تک پہنچ گیا۔پھر کچھ حضرات کے اشکالات کے جوابات بھی حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کی روشنی میں حل کر دیئے گئے۔اس وقت حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دو مکتوبات کی تشریح پر مبنی کتاب حقیقت توحید ورسالت کی دوبارہ تشریح کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔

6. کرونا وائرس کی وجہ سے خانقاہ کے زیر اہتمام ملک کے مختلف علاقوں میں ہونے والے سہ روزہ اصلاحی جوڑ کا سلسلہ فی الحال موقوف ہے۔جبکہ خانقاہ میں ہونے والا ہفتہ وار جوڑ بھی فی الحال موقوف ہے۔

7. مثنوی شریف کا درس جو کہ پہلے ہفتہ کے دن ہوا کرتا تھا۔اب یہ درس ہفتہ میں دو دن یعنی منگل اور اتوار کے دن ہوا کرتا ہے۔جبکہ ہفتہ کے دن حضرت مولانا اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سلوک سلیمانی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت السالک کی تعلیم ہوتی ہے۔

8. اتوار کے دن رات 8 بجے انگریزی میں اصلاحی بیان ہوتا ہے جبکہ پیر کے دن عصر کی نماز کے بعد پشتو میں اصلاحی بیان ہوتا ہے۔

9. اتوار کے دن خواتین کا بیان اب الحمدللہ بیک وقت اردو۔پشتو اور انگریزی زبانوں میں براہ راست نشر ہوتا ہے۔جسے ہر سُننے والا اپنے مطلوبہ زبان میں سُن سکتا ہے۔

https://www.tazkia.org/ur/bayanat

علوم عظیمہ

تھوڑی عقل استعمال کی جائے تو آسانی اور فائدہ ساتھ ساتھ ہے۔

1. جو چیز مفید ہو اور بس میں ہو وہ استعمال کرنی چاہیے۔چیزوں کا مہنگا ہونا اس کے مفید ہونے کی دلیل نہیں ہے۔کیونکہ بعض اوقات مہنگی چیز اتنی مفید نہیں ہوتی جتنی سستی چیز۔جیسے مونگ پھلی چلغوزے سے زیادہ مفید ہے لیکن بعض لوگ دیکھا دیکھی چلغوزے اس لیے زیادہ پسند کرتے ہیں کہ وہ مہنگے ہیں۔

2. موسمی پھل اُسی موسم میں کھانا زیادہ فائدہ دیتا ہے۔دوسرے موسم میں وہ بس مہنگا ہوتا ہے۔فائدہ اس کا کم ہوجاتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس موسم میں جس علاقے میں جو پیدا کرنے کا انتظام فرمایا ہے اس میں کچھ حکمت ہو گی۔

3. اپنے علاقے کا اصلی شہد زیادہ مفید ہے۔کیونکہ شہد مختلف پھولوں کی رس سے شہد کی مکھی بناتی ہے۔اللہ تعالی کی سنت عادیہ ہے کہ ہر علاقے کی بیماری کی دوا اسی علاقے کے پھولوں، پھلوں اور جڑی بوٹیوں میں چھپادیتا ہے۔اس لیے اپنے علاقے کا شہد زیادہ مفید بھی ہے اور سستا بھی ہو گا۔

4. مشائخ کا یہ نکتہ نوٹ کرنا چاہیے کہ جو بیماری میں پرہیز آسانی کے ساتھ کر لیتے ہیں ان کے نفس پر ان کی عقل غالب ہے۔ان کے نفس کا علاج آسان ہو گا لیکن عقلی بے راہ روی سے ان کو بچانا زیادہ مشکل ہے لیکن ضروری بھی ہے اور جو پرہیز نہیں کر سکتے ان کو مجاہدات سے گزارنا ضروری ہو گا کیونکہ ان کا نفس قابو میں نہیں اور جو جذبات کی وجہ سے بے وقوفی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نفس کشی پر تیار ہوتے ہیں۔ان کا علاج زیادہ تر جذبات کو قابو کرنے میں ہو گا۔جیسے عورتوں میں زیادہ تر بیماریاں اس قسم کی ہوتی ہیں۔

5. محبت ایک بہت مؤثر جذبہ ہے۔لیکن دیکھنا چاہیے کہ یہ طبیعت کی وجہ سے ہے یا عقل کی وجہ سے۔اگر عقل کی وجہ سے ہے تو دیرپا ہے۔لیکن فوری مؤثر نہیں ہو گا۔موقع پر ہی پتا چلے گا اور اگر طبیعت کی وجہ سے ہے تو عارضی ہو سکتا ہے۔لیکن مؤثر فوری ہوتا ہے اور اگر پہلے عقل سے ہو اور پھر یہ عقلی محبت طبعی محبت میں بدل جائے تو یہ دیرپا ہونے کے ساتھ مؤثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔

مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ۔ اللہ جل شانہ کا بہت شکر ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہمیں اہلِ ایمان میں پیدا فرمایا اور ان اکابر تک ہماری رسائی فرمائی جن پر اللہ تعالیٰ نے بہت کرم فرمایا تھا۔ ان اکابرین میں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ ان کی مثنوی شریف کا درس ہفتہ کے روز سالہا سال سے ہوتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات شریفہ کی کتاب انفاسِ عیسیٰ۔ جس میں حضرت کے قلب مبارک کے فیوض و برکات بکھرے ہوئے ہیں۔ اس کی تعلیم ہفتہ وار چل رہی تھی اور 12 سال میں تکمیل تک پہنچ گئی۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ اس کا "power point" بن گیا ہے اور اب مختلف جگہوں پر لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ پاک نے اپنے فضل و کرم سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریفہ کی تشریح کی توفیق نصیب فرمائی۔ حضرت کا خاص مکتوب جو حضرت نے اپنے بھائی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا تھا۔ جس میں حضرت نے سلوک اور جذب کے بارے میں بڑی تفصیلی بات فرمائی تھی۔ اس کی تشریح بھی اللہ پاک نے کروائی اور اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وہ تشریح چھپ بھی گئی ہے۔ اس کا نام **"حقیقتِ جذب و سلوک"** رکھا گیا ہے۔

بدھ کے دن مکتوبات شریفہ کی تعلیم کا سلسلہ کافی عرصے سے چل رہا ہے اور انشاء اللہ چلتا رہے گا۔ یہ تو معرفت کا سمندر ہے اس میں ہم جیسے لوگ مسلسل غوطہ زن رہیں تو پھر برکات اور فیوضات ان شاء اللہ ملتے رہیں گے۔

اس کے بعد قلب پر یہ ارادہ وارد ہوا کہ ہمارے جدِ امجد حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اولیاء اللہ میں ایک خاص شان رکھتے تھے اور سہروردی اور چشتی سلسلے کے خصوصی امین تھے۔ یہ بہت عجیب نسبی سلسلہ ہے۔ کہ جتنے اکابر حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک چلے آرہے ہیں۔ یہ سب نسبی طور پر اولیاء اللہ تھے۔ یعنی ان

کے والد۔ان کے دادا۔ان کے پر دادا۔ان کے بڑے اور ان کے بڑے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ تک ان کے آباؤ اجداد مسلسل اولیاء چلے آرہے ہیں۔سارے اولیاء اللہ گزرے ہیں اور ہر ایک کا مقام اپنے اپنے علاقوں میں واضح ہے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دور میں گزرے ہیں۔آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص الخاص مرید تھے۔جن کا سلسلہ بنوریہ نقشبندیہ بہت مشہور ہے۔حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نقشبندی سلسلہ کی دو شاخیں چلتی ہیں۔ایک معصومیہ جو حضرت کے اپنے صاحبزادے سے چلا ہےاور ایک بنوریہ جو حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ سے چلا آرہا ہے۔

حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی تشریف لائے۔چونکہ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم تھے اور حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود بھی بہت بڑے عالم اور علماء کے بہت بڑے قدردان تھے۔جب نماز کا وقت آیا تو کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو فرمایا کہ آپ نماز پڑھائیں۔حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی لجاجت سے فرمایا کہ حضرت باقی باتیں تو میں آپ کی مان سکتا ہوں اور آپ کی سب باتیں قابل تسلیم ہیں۔لیکن یہ بات میرے لیے ماننے کی نہیں ہے۔کیونکہ میں اسی لیے آیا ہوں کہ آپ کے پیچھے نماز پڑھوں۔پھر مجبوراً حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھائی اور اس کے بعد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تاریخی فقرہ کہا "آج جو نماز آپ کے پیچھے پڑھی ہے یہ نماز اور وہ نمازیں جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے پڑھی ہیں اس طرح اور کوئی نماز نہیں پڑھی" پھر حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کو حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کے سفر میں رفیقِ سفر کر دیا۔

یہ اولیاء اللہ کا بہت عجیب سلسلہ ہے۔اس وجہ سے دل پر یہ وارد ہوا کہ یہ ایک قسم کی بے وفائی والی صورت بن جاتی ہے کہ ہم باقی اکابر کی باتیں کریں۔ان کی تعلیمات اورملفوظات اپنی مجلسوں میں بیان کریں۔لیکن اپنے گھر کے حضرات

اور ان کی برکات سے ناواقف رہیں۔یہ مناسب بات نہیں تھی۔بلکہ مجھے اپنی زندگی کا ایک بڑا تجربہ بھی اس کے ساتھ ہوا ہے۔اس وجہ سے بھی ذہن اس طرف چلا گیا۔جس وقت میں حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوا جو کہ شیخ کامل اور سلیمانی نسبت کے بہت بڑے ولی اللہ تھے۔تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ اپنے اکابر کے لیے ایصال ثواب کیا کرو۔ایک دفعہ سورۃ الفاتحہ اور تین دفعہ سورۃ الاخلاص پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اور چاروں سلسلوں کے مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے لیے ایصال ثواب کیا کرو۔یہ طریقہ سکھایا۔چونکہ حضرت کا حکم تھا اس لیے شروع کر دیا تھا۔ان دنوں میں نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا جو ہمارے سلسلہ اکابر رحمۃ اللہ علیہم سے ہیں۔ہمارے خاندانی اکابر ہیں۔جن کا نام مجھے معلوم نہیں لیکن خاندان کے بڑے بزرگوں میں سے تھے۔انہوں نے فرمایا کہ آپ اتنے بڑے ہو گئے ہیں کہ اب تو ہم آپ سے بیعت کرنا چاہتے ہیں۔میں بڑا حیران ہوا کہ یا اللہ یہ کیا ہوا۔پھر میں جاگ گیا تو سمجھا کہ یہ تو منہ پر تھپڑ ہے۔لیکن یہ تھپڑ کیوں مارا گیا؟ اس پر سوچا تو یہ بات دل میں آئی کہ میں باقی اکابر رحمۃ اللہ علیہم کے لیے تو ایصال ثواب کرتا ہوں لیکن اپنے آباء واجداد اکابر رحمۃ اللہ علیہم کو نہیں کرتا۔شاید یہی وجہ ہے۔ہمارے کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ایک بزرگ گزرے ہیں سید تنظیم الحق حلیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس بزرگ نے یہ کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالات قدسیہ" لکھی ہے۔یہ ان کے خاندان میں سے ہیں۔حلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کا نام تھا تو اس لحاظ سے حلیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہلاتے تھے اور وہ ہمارے پھوپھا جان بھی تھے۔اُن سے میں نے عرض کیا کہ حضرت اس طرح میں نے خواب دیکھا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ منہ پر تھپڑ ہے۔حضرت نے فرمایا بات تو یہی ہے۔پھر میں نے کہا میرے دل میں یہ بات آرہی تھی کہ میں باقی اکابر رحمۃ اللہ علیہم کے لیے ایصال ثواب کر رہا ہوں لیکن اپنے خاندان کے اکابر رحمۃ اللہ علیہم کے لیے نہیں کر رہا۔شائد یہ وجہ ہے۔فرمایا بالکل یہی وجہ ہے۔

آپ لوگوں نے سنا ہو گا کہ میں جب ایصال ثواب کرتا ہوں تو اپنے آباء و

اجداد کا نام بھی لیتا ہوں۔ یہ بات چونکہ پہلے مجھ پر گزر چکی ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہیں دوبارہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے۔ اسی لیے میرے دل میں یہ خیال آیا۔ بڑی مضبوطی کے ساتھ آیا اور اس کے لیے تکوینی اسباب بھی بن گئے کہ منگل کا دن فارغ ہو گیا۔ لہٰذا آج کے دن ہم نے اس کتاب کی تعلیم شروع کی۔ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت بڑے بزرگ اکابر رحمۃ اللہ علیہم میں سے ہیں۔ ان کو حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں۔ زیارت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں ان کا مزار ہے اور ان کے مزار میں ایک خاص بات ہے کہ جن لوگوں پر جنات ہوتے ہیں۔ جب ان کو وہاں لے جاتے ہیں تو جنات ان سے دور ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے پوچھا کہ یہ سب کیسے ہوتا ہے؟ وہ شاید یہ سمجھے کہ یہ شرک ہے اور بظاہر یہی بات لگتی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ در اصل وہاں جنات کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ جن کو حضرت سے محبت ہے۔ جنات میں بھی اتنے ہی مذاہب اور مسالک ہیں جتنے انسانوں میں ہیں اور ان کے نام بھی وہی ہیں یعنی ہندو۔ عیسائی۔ یہودی اور سارے مسالک بھی ہیں۔ جیسے انسانوں میں بہت سے انسان حلیم گُل بابا رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کرتے ہیں اسی طرح جنات میں بھی بہت سے جنات ان سے محبت کرتے ہیں۔ اس لیے ان سے محبت کرنے والے جنات وہاں موجود ہیں۔ وہ لوگ جن پر جنات ہوں وہ جب حضرت کے مزار پر جاتے ہیں۔ تو مزار کے جنات جو کہ طاقت میں بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ ان جنات کو پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لیتے ہیں اور وہ شخص ٹھیک ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے یہاں پر کوئی مجھ سے محبت کرنے والا موجود ہو اور نئے آنے والے کو پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لے۔ میں نے جب اپنے ساتھی کو یہ بات بتائی تو وہ سمجھ گئے اور کہا کہ یہ تو ہو سکتا ہے۔ چونکہ لوگوں کو سطحی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے بڑے بڑے حکم لگا دیتے ہیں۔

میں اس لیے عرض کرتا ہوں کہ حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ جن کی اولاد میں سید تنظیم الحق حلیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ انہوں اپنے والد پر کتاب لکھی۔ ان کو خود بہت اشکالات تھے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ ان کو سمجھ نہیں آرہا تھا

کہ کون سا طریقہ ہے۔ایک دفعہ خود کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بابا بزرگوں کے مقامات ہوتے ہیں۔ آپ کا کونسا مقام ہے؟ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا عجیب جواب دیا۔وہ جواب اس کتاب میں آئے گا ان شاء اللہ۔فرمایا "بیٹا میں نے علم علماء کے لیے چھوڑ دیا ہے۔درویشی درویشوں کے لیے اور فقیری فقیروں کے لیے چھوڑ دی ہے۔اللہ پاک نے میرے گلے میں بندگی کا ایک طوق ڈالا ہوا ہے۔میں چاہتا ہوں کہ موت تک یہ میرے گلے میں رہے۔یہی میرا مقام ہے" اس کو مقامِ عبدیت کہتے ہیں جو کہ بہت اونچا مقام ہے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سادہ اور عوامی الفاظ میں بیان فرمایا لیکن واقعتاً اس کو سمجھانا کافی مشکل ہے۔یہی ایک کامل شخص کی پہچان ہے کہ وہ بہت اونچی باتیں سادہ اور عوامی الفاظ میں بیان فرما دیتے ہیں۔لوگوں کو اس کی قدر نہیں ہوتی کیونکہ وہ سادہ الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔لوگ ایسی باتوں سے متاثر ہوتے ہیں جو بہت پُراسرار قسم کی ہوتی ہیں۔اہلِ باطل اس چیز کا بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔اہلِ باطل کو اگر آپ دیکھیں تو بڑی موٹی موٹی باتیں کریں گے لیکن عمل سے خالی ہوں گے۔اہلِ حق بہت سادہ سی بات کریں گے اور عمل سے بھرپور ہوں گے۔یہی ان کی پہچان ہے۔

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھیں تو وہ بھی گہری گہری باتیں نہیں کرتے تھے۔بلکہ سادہ سی باتیں ہوتی تھیں اور اسی میں گہرائی ہوتی تھی۔جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس جا رہے تھے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی کہ آپ جہاں جا رہے ہیں۔وہاں کے لوگ لباس سے بہت اثر لیتے ہیں۔لہٰذا مہربانی کر کے آپ ایسا لباس زیب تن فرمائیں جس میں کم از کم وہ آپ سے دوری اختیار نہ کریں اور آپ کا مقام ان کی نظروں میں کم نہ ہو۔حضرت نے فرمایا کہ میرے پاس ایسا کوئی لباس نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ جمعہ کی نماز کے لیے تاخیر سے آئے۔ان دنوں امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ امام ہوا کرتے تھے۔سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے تھے۔جب تشریف لائے تو لوگوں نے تاخیر کی وجہ پوچھی۔فرمایا

میرے پاس ایک ہی لباس تھا۔اُس کو دھو کر اس کے سوکھنے کا انتظار کر رہا تھا۔یہ تھے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس ایسا جوڑا نہیں۔معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت! میں پیش کردوں؟ فرمایا ضرور۔معاویہ رضی اللہ عنہ جوڑا لے آئے۔حضرت نے وہ جوڑا زیب تن کر لیا۔لیکن ابھی تھوڑا ہی دور گئے تھے کہ رک گئے اور کہا "معاویہ تو نے مجھے ہلاک کر دیا۔اس لباس نے تو مجھے مشغول کر دیا"۔یہ کہہ کر وہ جوڑا واپس کر کے اپنا جوڑا پہن لیا اور فرمایا میرے لیے یہی لباس ٹھیک ہے۔یہ بہت گہری بات ہے لیکن حضرت نے بہت سادگی سے بیان فرما دی۔"مشغولی" پر فقہاء نے بہت بڑی بڑی تفسیریں لکھی ہیں کہ مشغولی کیا ہے؟ مشغولی حق ہے یا غیر حق؟یہاں تک فرمایا کہ مساجد کے اندر دیواریں منقش نہیں ہونی چاہئیں کیونکہ اس میں مشغولیت ہو جاتی ہے۔ایک انسان نماز پڑھ رہا ہے تو منقش دیواروں کی طرف ذہن جائے گا۔اس لیے فرمایا کہ مساجد کی دیواریں اور قالین منقش نہیں ہونے چاہئیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو اس دور کے مجدد ہیں۔انہوں نے اس فقہی مسئلے سے روحانی مسئلہ نکال لیا اور فرمایا "میں تو کہتا ہوں کہ دل بھی منقش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اگر دل منقش ہوا تو اپنے دل میں مشغولیت ہو جائے گی اور یہ غیر حق ہے"۔ کیسی بڑی بات فرمائی اور جو کشفوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے کہ مجھے فلاں کشف ہو گیا۔فلاں کشف ہو گیا۔یہ اس کے دل کے منقش ہونے کی علامت ہے۔وہ اسی مشغولیت میں لگا رہتا ہے اور اللہ سے کٹ جاتا ہے۔آپ کا یہ فرمان کہ "دل بھی منقش نہیں ہونا چاہیے" یہ روحانی طور پر اس قدر اونچی بات ہے کہ اس کی آپ تشریح کرتے جائیں۔ختم نہیں ہو گی۔کہنے والوں نے کہہ دیا اور سمجھانے والوں نے سمجھا دیا۔بزرگوں کے پاس یہی چیز ہوتی ہے اور یہ اُن کی عمر بھر کا نچوڑ ہوتا ہے۔اس وجہ سے ایسے حضرات کی کتابوں کو پڑھنے میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو چیز ان بزرگوں نے بڑے تجربوں۔مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد حاصل کی ہوتی

ہے۔وہ چند الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں۔اگر ہمیں اس کی قدر ہو اور ہم اس کو حاصل کر لیں تو ہمیں اتنے مجاہدے اور ریاضتیں نہ کرنی پڑیں بلکہ وہ چیز ہمیں مفت میں حاصل ہو جائے۔جیسے لوگ "engineer" اور سائنس دانوں کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں کہ ان سے کوئی کام کی بات مل جائے تو وہ ہم سنبھال لیں اور اس سے فائدہ حاصل کریں۔ڈاکٹر حضرات پروفیسر حضرات کے ساتھ لگے ہوتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی "experience" کی بات ہمیں مل جائے جو ہمارے لیے فائدہ مند ثابت ہو۔اصل بات یہی ہے کہ ایسے لوگوں کی قدر وہی لوگ کرتے ہیں جو ان کے قدر دان ہوتے ہیں۔یہی بات ہے جس کی وجہ سے ہم بزرگوں کی تعلیمات کا جو نچوڑ ہوتا ہے۔اس کا درس دیا کرتے ہیں۔بلکہ میں اس کو دوسرے انداز میں عرض کروں گا۔بہت ساری کتابوں میں بزرگوں کا یہ فرمان لکھا ہے کہ اگر کوئی اپنے شیخ کی مجلس میں بیٹھا ہو تو ذکر لسانی نہ کرے۔اپنے دل کو شیخ کے دل سے ملا کے رکھے کہ شیخ کے دل پر جو فیض آرہا ہے ان کے دل سے مجھے وہ فیض مل رہا ہے۔فرمایا کہ اس وقت یہ اصلی ذکر ہے۔کیونکہ یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے آرہا ہے۔اس لیے یہ ذکر اس کو اللہ تعالیٰ سے ملا رہا ہے۔اس میں الفاظ کا سہارا نہیں بلکہ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ملا رہا ہے۔یہ سمجھانا مشکل کام ہوتا ہے لیکن جن کو سمجھ آجائے ان کے لیے بہت اونچی بات ہوتی ہے۔پھر وہ یہی کرتے ہیں۔لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ فارغ بیٹھے ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے ان کو بہت کچھ عطا کر دیتے ہیں۔اسی طرح ہمارے مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم جنہوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنے میں لگا دیا اور اللہ پاک نے ان کو وہ موتی عطا کر دیے جو ایسے وقت میں ان کا حق تھا۔اب وہ موتی ان کے پاس ہیں اور کوئی قدر دان ان کی کتابوں میں ان کی تعلیمات پڑھ لے اور اس کو وہ موتی حاصل ہو جائیں تو یہ مفت کی کمائی ہے۔

ہم لوگ نہ تو اتنے مجاہدے کر سکتے ہیں۔نہ ریاضتیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی ہمارے پاس اتنا وقت ہے۔ صحیح بات عرض کرتا ہوں کہ نہ ہمارے پاس

اتنی صلاحیت ہے نہ وقت ہے۔ایسی صورت میں اگر ہم ان سے بھی اعراض کرلیں تو نتیجتاً کورے کے کورے رہ جائیں گے۔علماء نے اپنے علوم کی قدر کی ہے۔بڑے بڑے علوم کے خزانے جو کتابوں میں موجود ہیں ان کو پڑھ کر ان علوم تک رسائی حاصل کی اور اس طرح علوم کے خزانے حاصل کرلیے۔اسی طرح مشائخ نے معارف کی قدر کی ہے۔معرفتِ الٰہی جو ان کو قلبی اور وجدانی طور پر حاصل تھی۔انہوں نے اس کی قدر کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ نعمتیں نصیب فرما دیں۔میں اگر اس کو ایک لفظ میں عرض کرنا چاہوں (شاید اس مجلس کی برکت ہے۔الحمد للہ) وہ یہ ہے کہ اگر میں صبر کے موضوع پر ایک بہت اچھی کتاب پڑھ کر صبر کی تمام تفصیلات سے آگاہ ہو جاؤں۔تو یہ صبر کا علم ہے جو حاصل ہو گیا اور یہ بہت قیمتی علم ہے۔لیکن کسی اللہ والے کے ساتھ بیٹھ کر مجھے صبر حاصل ہو گیا اور صبر کے الفاظ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تو یہ زیادہ بہتر ہے۔میں صبر کا علم حاصل نہیں کر سکا لیکن صبر حاصل ہو گیا۔جس کے بارے میں اللہ پاک کا فرمان ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ صبر کا علم رکھنے والے کے ساتھ اس وقت ہو گا جب وہ صبر کرے گااور جس کو صبر حاصل ہے اللہ اس کے ساتھ براہ راست ہے۔یہ ہی وہ چیزیں ہوتی ہیں جو مشائخ کے ہاں ملا کرتی ہیں اور جس کی قدر کی جاتی ہے۔اس کے لیے علماء بھی بزرگوں کے ہاں تشریف لے کر جاتے ہیں۔حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ،حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اسی لیے تشریف لے کر گئے تھے۔حالانکہ یہ بہت بڑے علماء تھے۔ان کا علمی مقام اس قدر اونچا تھا کہ دور دور تک اُن جیسا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔لیکن اسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے جو میں نے ابھی بیان کی۔حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے جو باقاعدہ عالم بھی نہیں تھے۔یہی بات حضرت قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عاشقانہ رنگ میں بیان فرمائی۔جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ تو خود عالم ہیں۔آپ حاجی صاحب کے پاس کیوں تشریف لے گئے تھے۔جو عالم

بھی نہیں۔ فرمایا ہم عالم ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ کیلا بھی ہوتا ہے۔ ککڑی۔ انار اور سنگترہ یہ سب چیزیں ہوتی ہیں۔ لیکن ہم نے کبھی کچھ کھایا نہیں تھا۔ حاجی صاحب کے پاس گئے۔ ان کو ان چیزوں کے نام تو معلوم نہیں تھے لیکن ساری چیزیں ان کے پاس تھیں۔ وہ کھلا رہے تھے۔ کبھی کیلا کھلاتے تو ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کیلا کھلا رہے ہیں۔ کبھی ککڑی کھلاتے تو ہمیں معلوم ہو جاتا کہ ککڑی کھلا رہے ہیں۔ ہمیں صرف معلوم تھا اور ان کے پاس یہ ساری چیزیں موجود تھیں۔ یہی وہ ساری چیزیں ہیں جو ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے عرض کی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم لوگ قرآن کے حکم کے مطابق ﴿ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ پر عمل کرتے ہوئے اللہ والوں کے ساتھ رہیں اور ہمارے اندر طلب ہو۔ تو جو مقام صدق ان کو حاصل ہے۔ وہ آہستہ آہستہ ان کی برکت سے ہمیں بھی حاصل ہونے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرما دے۔ آمین

بہرحال یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے اکابر کی کتابوں کی قدر کرتے ہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ شاید قدر کا لفظ کافی نہیں۔ کیونکہ ہم لوگ اصل قدر نہیں کرتے۔ کیونکہ ہمیں ان چیزوں کے قیمتی ہونے کا اصل احساس ہی نہیں۔ لیکن بہرحال کوشش کرتے ہیں۔ اکابر کی نقل کرتے ہیں۔ جیسے وہ اپنے اکابر کی قدر کرتے تھے۔ ہم بھی ان کی نقل میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تھوڑی بہت قدر کرتے ہیں۔ لہذا آج سے شروع کرتے ہیں۔

باب اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشریح: یہ حضرت شیخ عبد الحلیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں۔
متن: **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٌ** ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور خدا کی حمد کے بعد عبد الحلیم جو کہ خداوند تعالیٰ کے لیے وسیلے کی تلاش میں ہے۔

تشریح: وسیلہ مقامِ قرب کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی چیز کو حاصل کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے کسی وسیلے کی تلاش میں ہوں۔

متن: عرض کرتا ہے کہ میں گنہگار اور تر دامن ہوں۔ مگر اس کے باوجود خداوند رحیم اور کریم کی رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میرے گناہوں کو عفو فرمائے گا اور میری عبادت و طاعت کو میری شرمندگی اور عذاب کا سبب نہیں بنائے گا۔ بلکہ مجھے بہشتِ بریں میں داخل فرمائے گا اور حشر و نشر کے دن مجھے شرمندہ نہیں کرے گا اور میرے ساتھ سخت حساب نہیں فرمائے گا اور دوزخ کے عذاب سے مجھے پناہ دے گا اور مجھے عارفوں اور محبت کرنے والوں کی محبت نصیب فرمائے گا۔

وَارْزُقْنِیْ شَفَاعَةَ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ، یَا مَوْلٰنَا یَا مَوْلٰنَا یَا سَامِعَ دُعَانَا فِیْ یَوْمِ الْحَشْرِ وَالنَّشْرِ وَاغْفِرْلِیْ وَاَبَوَیْنَا وَاَدْخِلْنِیْ الْجَنَّةَ وَاَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ بِحُرْمَتِهٖ وَلَا تَقْطَعْ رَجَانَا ﴿ترجمہ﴾ اے ہمارے مولا! اے ہمارے مولا! اے ہماری دعاؤں کے سننے والے! حشر و نشر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مجھے نصیب فرما۔ میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما۔ مجھے جنت میں داخل فرما اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کے طفیل مجھے دوزخ سے دور فرما اور ہماری اُمیدیں قطع نہ فرما۔

چونکہ میرے دل و دماغ میں حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴿شیخ رحمکار﴾ کی مدح اور تعریفیں کثرت سے آتی تھیں اور میری یہ سخت خواہش تھی کہ اپنے شیخ محترم کے مناقب جمع کروں۔اسی لیے چند ایک صحیح مناقب جو کہ مجھے ہاتھ لگے تھے۔میں نے حوالہ قرطاس و قلم کئے اور اُن کو ضبط تحریر میں لایا۔اگرچہ میں خود کو ان کی مدح اور تعریف کے قابل نہیں سمجھتا۔لیکن میں نے اپنے فائدے کے لیے بہت محنت کر کے یہ مناقب جمع کئے۔تاکہ دنیا اور آخرت میں میرے لیے باعث نفع و جزا ہوں۔

تشریح: حضرت نے عاجزی کے ساتھ اپنے ارادے کا اظہار کیا ہے۔یہی ہمارے بزرگوں کی شان ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔اللہ تعالیٰ ان جیسی تواضع ہمیں بھی نصیب فرمائے۔آمین۔

پہلا باب

حضرت صاحب کے اسماء کے بیان میں خود حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاطریقہ اور جناب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مریدوں کے تربیت کا بابرکت طریقہ

متن: جناب حضرت صاحب کے وہ نام جو کہ لوگوں میں بہت مشہور تھے۔یہ ہیں۔شیخ رحمکار۔شیخ رامکاروکستری۔کستر﴿بسکون را﴾ اور بہت سے لوگ اُن کو کاکا کہتے تھے اور مُغلیہ خاندان کے بعض لوگ اُن کو رحمان کار کہتے تھے۔واللہ اعلم!

تشریح: ایک ہے ذاتی نام سے مشہور ہونا اور ایک ہے صفات کے لحاظ سے مشہور ہونا۔ذاتی نام ہر ایک کا ایک ہی ہوتا ہے اور صفات زیادہ ہوتی ہیں۔بعض حضرات کی صفات اس قدر اونچی ہوتی ہیں کہ وہ اپنی صفات کے لحاظ سے زیادہ مشہور ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کے اصل نام بعض دفعہ گم ہو جاتے ہیں۔کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ چونکہ بہت رحم کرتے تھے۔بہت زیادہ شفیق اور لوگوں کے ساتھ بہت محبت کرتے تھے۔اس لیے

لوگ حضرت کو اپنے اپنے انداز میں محبت کے ناموں سے یاد کرنے لگے۔لوگوں نے ان کو اپنے رنگ میں اپنے اپنے محبت کے انداز میں جو چاہا کہا۔ جیسے ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میاں صاحب کہتے تھے۔اُن کا اصل نام شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔ گاؤں کے بہت کم لوگوں کوان کا نام "سید علی شاہ" معلوم تھا۔حالانکہ میاں صاحب کے نام سے اور لوگ بھی تھے لیکن اگر کوئی کہتا کہ میاں صاحب کے پاس جارہا ہوں تو سب سمجھ جاتے کہ والد صاحب مراد ہیں۔یہ نام ان کے لیے ایسا بن گیا تھا جیسے ذاتی نام ہو۔ میرے بچپن کا واقعہ ہے۔ میری ایک چھوٹی بہن جو فوت ہو چکی ہے۔اُس کی ایک دفعہ سکول میں کسی class fellow کے ساتھ لڑائی ہو گئی۔ گاؤں میں لوگ لڑائی میں والد صاحب کو بلایا کرتے تھے۔لہذا وہ لڑکی بھی پکارنے لگی: "میاں صاحب! میاں صاحب!"۔ میری بہن غصے میں بولی ان کا نام کیوں لیا ہے۔حالانکہ یہ ان کا ذاتی نام نہیں تھا۔صفاتی نام تھا﴿ذاتی نام پر لوگ غصہ ہو جاتے ہیں کہ کسی بڑے کا نام لیا﴾ لیکن وہ اسی نام کو ذاتی نام سمجھ کر غصہ ہوئی۔بتانے کا مقصد یہ ہے کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے صفاتی نام زیادہ مشہور ہو جاتے ہیں۔

عوام میں جو ایک تاثر پایا جاتا ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جو مختلف نام مشہور ہوئے ہیں۔وہ اسی وجہ سے ہیں کہ عوام پر ان کا گہرا اثر تھا۔لوگ آپ کا بہت خیال رکھتے تھے اور بہت محبت کرتے تھے۔اس بارے میں مزید آگے انشاء اللہ اسی باب میں آئے گا۔ابھی چونکہ ناموں والی بات آگئی تھی اس لیے وہ عرض کر دی۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر خلوت نشینی بہت زیادہ غالب تھی۔گمنام رہنا پسند کرتے تھے۔ان کا مقامِ پیدائش ابھی بھی ایسا ویران ہے کہ کوئی اُس طرف نہیں آتا۔وہ درخت ابھی بھی موجود ہے۔جس کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا پنگوڑہ بندھا ہوتا تھا۔حضرت لوگوں کے سامنے بالکل نہیں آنا چاہتے تھے اور لوگ دور دور سے جوق در جوق آتے تھے۔حضرت نے ان کو روکنے کے لیے اپنے قریب رہنے والے لوگوں کو کہا کہ ان کو کھانا نہ دیں تاکہ لوگ نہ آئیں۔وہ

حضرت کی بات مانتے تھے۔لہٰذا انہوں نے کھانا بند کر دیا۔یہ دیکھ کر لوگ اپنے ساتھ کھانا لانا شروع ہو گئے اور وہاں کے لوگوں سے کھانے پکانے کا سامان خرید لیتے۔حضرت کو جب پتہ چلا تو فرمایا ان کو یہ چیزیں بھی نہ دو۔لوگوں نے وہ بھی بند کر دیا۔پھر لوگ اپنے ساتھ پکانے کی ساری چیزیں لانے لگے اور کھانا پکانے کا باقاعدہ انتظام کر لیا۔یہ صورت حال دیکھ کر حضرت نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ لوگوں کے سامنے آؤں لیکن اگر اللہ کی یہی مرضی ہے تو میں کسی کو نہیں روکتا۔پھر حضرت نے خود ہی ان لوگوں کے لیے لنگر کا انتظام فرما دیا۔وہ لنگر ماشاء اللہ ابھی تک چل رہا ہے۔بتانے کا مقصد یہ ہے کہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ایسے لوگ جو محبوب الخلائق ہوں۔ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا الگ ہی نظام چلتا ہے۔

مناقب

﴿حضرت شیخ رحمکار رحمۃ اللہ علیہ﴾

اوصاف حمیدہ کی پہلی قسم

شیخ رحمکار رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف حمیدہ

متن: وہ بہت دیندار تھے۔صاحبِ قرب تھے۔بساطِ قرب پر متمکن تھے۔اُن میں کبر و غرور کا شائبہ تک نہ تھا۔قلبِ سلیم کے مالک تھے اور اُس قلبِ سلیم میں کسی قسم کے غیر اللہ کی کدورت نہیں رکھتے تھے۔غیرِ حق سے نگاہ آشنا نہ تھے۔معرفت کی محبت اپنے سینے میں کمال درجہ رکھتے تھے۔غیر حق پر نظر نہیں رکھتے تھے۔ظاہر میں کتابِ خوان اور باطن میں تقویٰ سے آراستہ عقبیٰ کو مد نظر رکھتے تھے۔راہ عشق کے سرگرم راہرو اور شہسوار عشق و محبت تھے۔وہ صاحبِ جذب و کشش تھے۔مراتب عالی کے مالک اپنی ہستی کی نفی کرتے اور رات کے وقت غیر حق کو چھوڑ کر سیر مع اللہ میں مشغول ہوتے۔درمیان سے غیریت برطرف تھی۔محقق اور سراپا محبت تھے۔شریعت میں کمال کا درجہ حاصل تھا۔طریقت و حقیقت میں تام تھے سراپا شوق تھے اور شوق و اشتیاق

میں ہر وقت رو بہ ترقی تھے۔آپ کا دل توکل سے مملو تھا۔دل میں مجذوبوں کی طرح سوز اور جذبہ رکھتے تھے۔تقرب کے میدان میں گوئے سبقت لے چکے تھے۔اپنے زمانے میں با ادب مقتدا اور پیشوا تھے۔خود بھی کامل تھے اور دوسروں کو بھی کامل بنانے کا سلیقہ رکھتے تھے۔محبتِ الٰہی کی شراب سے سرشار تھے۔علم لدنی کے عالم اور راہ حقیقت کے شناسا تھے۔خدا کی مخلوق اُن کی ملاقات سے دانۂ اسپند کی طرح سوزش میں آتے۔کشف القلوب کے حامل تھے۔اپنے نفس کے عارف تھے اور موت سے قبل آشنائے موت ہو گئے تھے۔فقط اپنے مطلوب پر نظر جمائے رکھتے تھے۔اُن میں انانیت بالکل نہ تھی۔اُن کی بقاء، حق پر تھی۔یعنی باقی باللہ تھے۔حقیقی ایمان رکھتے تھے اور بغیر کسی پردے اور حجاب کے حق الیقین رکھتے تھے۔

تشریح: اس کی تشریح مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب شریف میں ہو چکی ہے کہ بغیر کسی پردے اور حجاب کے یقین رکھتے تھے۔حضرت نے اس پر بڑی تفصیل سے کلام فرمایا ہے۔

متن: اور حق الیقین رکھنے کی وجہ سے سوال و جواب کے محتاج نہ تھے اور کسی قسم کی لاف زنی نہیں کرتے تھے۔وہ صاحب عقل و خرد تھے اور مقام حیرت میں مقیم تھے۔کمال (حق ادائیگی) کے ساتھ بکثرت اعمال کرتے تھے۔اخلاق و کردار نیک اقوال و گفتار علم سے پُر رکھتے تھے۔

تشریح: یہ بات تفصیل طلب ہے۔اقوال۔اعمال اور احوال یہ تین چیزیں ہیں۔کچھ لوگ صاحب قال ہوتے ہیں۔صاحب اعمال نہیں ہوتے یعنی بات بہت اونچی کرتے ہیں لیکن اعمال صفر ہوتے ہیں۔ایسے لوگوں کو صاحبِ قال کہتے ہیں۔یہ صاحبِ قال ہیں صاحبِ اعمال نہیں ہیں۔کچھ لوگ صاحبِ اعمال ہوتے ہیں لیکن صاحبِ احوال نہیں ہوتے۔اُن کے اعمال میں جان نہیں ہوتی۔مثلاً وہ بہت عمل کرتے ہیں۔نمازیں پڑھتے ہیں۔روزے رکھتے ہیں۔زکوۃ دیتے ہیں۔حج کرتے ہیں لیکن اُن کے اندر وہ لِلّٰہیت نہیں ہوتی جو اصل اور روح ہے۔ان کے اندر اپنی ذات کی طلب زیادہ ہوتی ہے۔لہٰذا وہ جب کوئی عمل کرتے ہیں تو اُن

کی نگاہ اپنی ذات پر جاتی ہے کہ میں نے یہ کیا۔ عمل اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے لیکن نگاہ اپنی ذات پر جاتی ہے۔اگر عمل اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں تو پھر یہ ریا ہے۔یہ عمل قابل ذکر ہی نہیں۔اگر عمل اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور نگاہ اپنے اوپر جائے تو اسے حجاب نفس کہتے ہیں۔یعنی اپنی نگاہوں میں خود بڑا ہونا۔اس سے آپ ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔اگرچہ آپ ﷺ اضطراری طور پر اس طرف آئے لیکن اُمت کی تعلیم کے لیے فرمایا: ﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا﴾ اے اللہ مجھے اپنی نگاہوں میں چھوٹا کر دے اور دوسروں کی نگاہوں پر بڑا کر دے" ہم نے اپنے شیخ سے پوچھا کہ حضرت یہ کیسی دعا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی نگاہوں میں چھوٹا کر دے۔یہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن دوسروں کی نگاہوں میں بڑا کر دے یہ کیا مانگ رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص یہ نہ مانگے اور دوسروں کی نگاہوں میں چھوٹا ہو جائے تو اس کے لیے عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔لوگ اس کے کاموں میں مخل ہوتے ہیں اور اس کو کام نہیں کرنے دیتے۔یہ بھی اللہ تعالی کا بڑا فضل ہے کہ لوگوں کی نگاہوں میں بڑا ہوتا ہے لیکن اپنی نگاہوں میں چھوٹا رہتا ہے لہٰذا لوگ اس کو ولی اللہ سمجھتے ہیں اور وہ خود اپنے آپ کو گناہگار سمجھتا ہے۔یہی اللہ والوں کی شان ہے۔جیسے مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں فرماتے تھے خاکسار۔ریاکار۔سیاہ کار وغیرہ لیکن لوگ اُن کو بہت بڑا ولی اللہ سمجھتے تھے۔یہی چیز بزرگوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

صاحب حال کو وہ اعمال حاصل ہوتے ہیں جو صاحب حال کے ہوتے ہیں یعنی ان کی نمازوں میں خشوع۔لِلّٰہیت اور عاجزی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کے عمل کی حیثیت بہت بڑھ جاتی ہے۔اسی کے بارے میں حضرت مولانا روم نے فرمایا:

قال را بگذارِ مرد حال شو
پیش مردِ کاملِ پامال شو

"قال کو چھوڑ دو۔صاحب حال بن جاؤ اور اس کے لیے کسی مرد کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال کردو" آج کے مرد حال نے اس عمل کو درمیان میں چھوڑ دیا۔حالانکہ مردِ حال میں عمل بذاتِ خود شامل ہے۔مثال کے طور پر میں کہتا ہوں کہ میرے پاس دودھ لاؤ تو آپ برتن میں ہی دودھ لاؤ گے۔برتن کے بغیر دودھ نہیں لایا جا سکتا۔"دودھ لاؤ" یہ با معنی لفظ ہے۔اس لفظ کے اندر بذات خود یہ بات شامل ہے کہ دودھ برتن کے اندر میرے پاس لاؤ۔تب ہی تو دودھ لایا جا سکتا ہے۔کوئی یہ نہیں کہتا کہ دودھ والے برتن کے اندر دودھ ڈال کر لاؤ۔کیونکہ یہ چیز خود بخود لوگوں کو سمجھ آجاتی ہے کہ بغیر برتن کے دودھ نہیں لایا جا سکتا لہٰذا اس کے کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔حضرت مولانا روم نے جو فرمایا کہ

قال را بگذارِ مرد حال شو

حال خود بخود موجود نہیں ہوتا جب تک عمل موجود نہ ہو۔عمل کے بغیر حال کی مثال ایسی ہے جیسے دھواں اور شور شرابا اور عمل کے ساتھ حال کی مثال ایسی ہے جیسے engine ، engine موجود ہو لیکن اس میں طاقت نہ ہو تو شور وہ بھی کرتا ہے لیکن اس میں وہ طاقت نہیں ہوتی جو گاڑی کو چلا سکے۔مثال کے طور پر engine کے اندر piston کے اردگرد کوئی leakage نہیں ہے۔تو جتنا پریشر بنتا ہے وہ piston کو دھکیلنے میں استعمال ہوتا ہے اور نتیجے میں engine چلتا ہے۔لیکن جب leakage ہو جائے تو پھر صرف شور ہو گا۔لیکن piston نہیں چلے گا۔گاڑی نہیں چلے گی۔اسی طرح جو عمل حال کے ساتھ نہ ہو تو اس کے اندر وہ چیز ہی موجود نہیں ہے۔یعنی piston موجود ہے اور power موجود نہیں۔اگر صرف power موجود ہو piston موجود نہ ہو تو شور موجود ہے لیکن گاڑی میں حرکت نہیں ہے۔دھواں بہت ہو گا لیکن گاڑی نہیں چلے گی اور جب دونوں کو جمع کردیں گے تو ایک پورا system بن جائے گا۔اسی طرح اعمال کے ساتھ حال کا ہونا بھی ضروری ہے۔اسی کو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

نے دو الفاظ میں بیان کیا ہے۔

شریعت پر دل سے چلنے کا نام حقیقت ہے۔ جس کو طریقت کے ذریعے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یعنی شریعت کو دل سے حاصل کرنے کا نام حقیقت ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے طریقت ہے۔ طریقت وہ ذرائع ہیں جس کے ذریعے آپ وہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں جو حقیقت میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر نماز کی حقیقت۔ حقیقت صلوۃ یہ ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ﴾ "بے شک نماز بے حیائی اور گمراہی سے روکنے والی ہے اور اللہ کی یاد تو بڑی چیز ہے" اس آیت میں نماز کی حقیقت پنہاں ہے۔ نماز کے اندر جتنی زیادہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہو گی۔ نماز اتنی ہی زیادہ قوی ہو گی۔ یعنی ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اور ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ﴾ ان آیات کو ساتھ ملا کر پڑھیں تو بات مزید سمجھ میں آئے گی۔ فرمایا "نماز قائم کرو میری یاد کے لیے" اب جس نماز میں اللہ کی یاد نہیں ہو گی وہ نماز تو ہو گی لیکن اس کے اندر قوت نہیں رہے گی۔ یاد الفاظ کی بھی ہوتی ہے کہ میں الفاظ پڑھ لوں لیکن ان الفاظ کا connection اُس ذات کے ساتھ نہ ہو تو piston موجود تو ہے لیکن leakage والا معاملہ ہے۔ لہٰذا نماز کی حقیقت نہیں پائی۔ اگر یہ leakage نہیں ہے۔ دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جا رہا ہے تو پھر آپ کی اللہ تک رسائی ہو گی۔ آپ کی نماز۔ نماز ہو گی۔ پھر یہی نماز ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ اور ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ بن جائے گی۔ یعنی اس نماز کے ذریعے آپ اللہ سے مانگ سکیں گے اور یہ نماز بے حیائی سے روکنے والی ہو جائے گی۔ لیکن اگر کہیں leakage ہو گئی تو پھر بات کسی اور طرف چلی جائے گئی۔ پھر نماز کی حقیقیت واقع نہیں ہو گی۔ نماز کی اسی حقیقت کو لانے کے لیے طریقت ہے۔ طریقت کا یہی مقصد ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ یہ حقیقت صرف الفاظ کے ذریعے سے حاصل ہو جائے۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو حاصل کرنے کے لیے طریقت ہے۔ جہاں جہاں سے leakage ہو اس کو بند کرنا پڑتا ہے۔ راستوں کو بند کرنا پڑتا ہے۔ مرمت کرنی پڑتی ہے۔ تمام چیزیں کرنی پڑتی

ہیں۔ پھر اس کے بعد اصل چیز سامنے آتی ہے۔

عموماً لوگ سطحی طور پر سوچتے ہیں۔ ان کو بات سمجھ نہیں آتی۔ کہتے ہیں کہ ہم نماز تو پڑھتے ہیں یہ کافی نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں نماز پڑھنی چاہیے۔ اس سے تو ہم آپ کو نہیں روکتے۔ یہ اللہ کا حکم ہے ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ اور دن میں پانچ بار حکم ہے۔ لیکن اس کو کامل بنانے کا بھی حکم ہے۔ اگر آپ اس کو کامل نہ بنا سکیں تو پھر اس کا فائدہ نہیں ہو گا۔ آپ کو نماز کی برکات نہیں ملیں گی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ چیزیں missing ہیں۔ اگر آپ accelerator کو خوب دبائیں لیکن گاڑی اپنی جگہ کھڑی رہے تو اس کا مطلب ہے کہ انجن میں leakage ہے۔ یا پٹرول گر رہا ہے یا کوئی اور مسئلہ ہے جس کی وجہ سے گاڑی نہیں چل رہی۔ لیکن مسئلہ کہاں ہے یہ چیز آپ کو میکینک دیکھ کر بتائے گا۔ یہی مثال طریقت کی ہے کہ جس کو آپ اپنی نماز کی حالت بتائیں گے۔ وہ عارف باللہ ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ نے مقامِ طریقت سے آشنا کیا ہو گا۔ وہ دیکھ کر بتائے گا کہ کہاں مسئلہ ہے اور اُس کا حل بھی آپ کو بتا دے گا۔

متن: وہ شریعت کا بحرِ بے کراں تھے اور شریعت کے مطابق اخلاق رکھتے تھے۔ قول کے سچے اور جھوٹ و فریب کے راستے سے کوسوں دور تھے۔ طریقت کے سمندر تھے۔ مگر اُن میں فخر و غرور کا شائبہ تک نہ تھا۔ زہد و ریاضت میں یکتائے روزگار تھے۔ حقیقت کے سمندر تھے اور سر کی آنکھوں سے اُسے دیکھتے تھے۔ سیر میں تازہ دم رہتے تھے۔ کوئی دوسرا شخص درمیان میں حائل نہ تھا۔ معرفت کے سمندر تھے۔ غیر اللہ کا خوف اُن کے دل میں نہ تھا اور دوست کے مشاہدے اور ملاقات میں تمام کرب و بلا سے بے نیاز تھے۔

تشریح: کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں کا آخر اچھا ہو۔ اس کا سب کچھ اچھا ہے۔ حضرت کا آخر دیکھیے! جمعہ کا دن تھا۔ حضرت بیمار تھے اور باوجود بیماری کے نماز کے لیے مسجد پہنچے۔ خطبہ جمعہ شروع ہے۔ خطبہ میں یہ حدیث شریف آجاتی ہے ﴿اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ﴾ "موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست کے ساتھ ملاتا ہے" اسی وقت حضرت نے جان دے دی۔ اب جس

کے لیے اللہ تعالیٰ ایسا وقت چُن لے جمعہ کا دن۔خطبہ کا وقت اور اس کیفیت کے ساتھ ﴿اَلْمُوْتُ جِسْرٌ یَصِلُ حَبِیْبَ اِلیٰ حَبِیْبِ﴾ کہ موت دوست کو دوست کے ساتھ ملاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی آپ کی روح جسم سے پرواز کر جاتی ہے۔یہاں سے اندازہ کر لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کیا مقام ہو گا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا کہ دوست کے مشاہدے اور ملاقات میں تمام کرب و بلا سے بے نیاز تھے۔

متن: اپنے زمانے میں دین کو زندہ کرنے والے بایزید رحمۃ اللہ علیہ ،بشر حافی اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح نہایت سخی اور صاحب جود تھے اور جود وسخا کے ایک اتھاہ سمندر تھے۔صاحبِ دل تھے۔اللہ تعالیٰ کی جانب سے خلقِ عظیم رکھتے تھے۔عالمِ غیب یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُنہیں نیک کاموں کا الہام ہوتا تھا۔تین ﴿3﴾ سال میں تیس ﴿30﴾ ہزار غلاموں کو آزاد کیا۔جس کا اُنہیں الہام ہوا تھا۔فربہ اور اچھی قسم کی بے شمار گائیں اور ہزاروں دُنبے خیرات کئے محتاجوں کو بے شمار نقد رقم دی۔بہت سارے گھوڑے ذبح کئے بے نوا بے سہارا نادار فقیروں کو بہت سا لباس دیا۔ہر کام خدا کے لیے کرتے تھے۔اچھے طریقے سے پکایا ہوا طعام عام و خاص لوگوں کو کھلاتے تھے۔جو کوئی کھانا چاہتا تھا۔بِلا تکلف سیر ہو کر کھاتا تھا۔گھی پانی کی طرح بے حساب فراواں طور پر خرچ ہوتا تھا۔نہایت متحمل مزاج اور بردبار تھے۔ہر وقت باوضو رہتے تھےاور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔

تشریح: یہ سمجھانا ذرا مشکل بات ہے لیکن بہر حال میں سمجھانے کے لیے ایک مثال عرض کر دیتا ہوں۔فرض کریں مجھے اللہ دیتا ہے۔یہ دل کھڑکی ہے اس کے ذریعے سے میں لیتا ہوں۔ایسا نہیں ہے لیکن میں سمجھانے کے لیے مثال دے رہا ہوں۔دل ایک کھڑکی ہے اور اللہ دیتا ہے اور دوسری کھڑکی میں لوگ کھڑے ہیں۔میں اللہ سے لے کر ان کو دیتا ہوں۔لوگ کہتے ہیں یہ کوئی مشکل کام نہیں کہ اللہ دے رہاہے اور آپ آگے لوگوں کو دے رہے ہیں۔ہمیں ملے گا تو ہم بھی دیں گے۔لیکن سوال یہ ہے کہ مال داروں کو اللہ تعالی نے ہی مال دیا

ہے پھر یہ غریبوں کو کیوں نہیں دیتے؟ لہذا جس کو یہ ربط ہی سمجھ نہیں آرہا کہ اللہ دیتا ہے وہ آگے کیسے چلے گا۔وہ آگے کیا دے گا۔وہ اسی جگہ رک گیا۔اُسی جگہ lock لگ گیا۔لہذا پہلے اس کا یہ lock کھولا جائے گا کہ اللہ دیتا ہے۔شانِ معرفت اسی کو کہتے ہیں کہ اس کو معلوم ہو کہ یہاں سے اللہ دے رہا ہے اور جس کے لیے دے رہا ہے اُس کو آگے دے۔اگر ایسا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ان کو بے حساب دیتا ہے اور وہ بھی بے حساب لوگوں کو دیتے ہیں۔لیکن یہ اُس وقت دیتا ہے کہ جتنا حساب آپ کے پاس ہے آپ اس کا حساب نہ کریں اور آگے کر دیں۔اگر آپ نے اپنا حساب ساتھ رکھ لیا تو اُدھر بھی حساب رکھنے والا موجود ہے۔جو صاحب معرفت ہوتا ہے وہ ان چیزوں کو جانتا ہے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے تھے۔اس میں کوئی شک نہیں اور صرف کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں۔آپ تکوینی بزرگوں کو دیکھیں اُن میں سے اکثر کے ساتھ ایسا معاملہ تھا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی ایسا ہی تھا۔عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مزدوری کرتے تھے اور اللہ نے ان کو اتنا عطا فرمایا تھا کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کی ڈیوٹیاں لگائی ہوئی تھیں۔غریبوں۔بیواؤں۔یتیموں کے لیے وظیفے مقرر کر رکھے تھے اور حضرت اپنا نام سامنے نہیں آنے دیتے تھے۔ان شاگردوں کی ڈیوٹیاں لگاتے کہ فلاں کو آپ نے دینا ہے اور فلاں کو آپ نے۔لوگ سمجھتے تھے کہ یہی طالب علم دے رہے ہیں اس لیے انہی کی قدر کرتے۔ پیچھے سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دیتے تھے۔لوگوں کو اُس وقت پتہ چلا جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو سب وظیفے بند ہو گئے۔پھر لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دیتے تھے۔یہی معاملہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی تھا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے کہ ایک دفعہ کسی نے حضرت کو تیس ہزار اشرفیاں ہدیہ دیں تو گھر پہنچنے سے پہلے پہلے سب خیرات کر دیے۔ان کے دل بہت بڑے تھے۔بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے ان کو جتنا عطا کیا تھا ساتھ دل بھی اتنا بڑا دیا کہ اس پر ان کا دل نہیں آیا۔ان چیزوں سے بڑے کی طرف نظر رکھی۔لہذا

ان کو اپنے ساتھ نہیں رہنے دیا۔اُن کو دل میں بڑا نہیں ہونے دیا۔

کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے اُن کو بے حساب دیا۔حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی کی مزدوری نہیں کرتے تھے اور کسی نے حضرت کو مزدوری کرتے نہیں دیکھا۔اللہ تعالیٰ اُن کو دیتے تھے۔لوگ کیوں دیتے تھے؟ یہ سوال بے معنی ہے اور وہ لوگوں کو کیوں دیتے تھے؟ یہ سوال بھی بے معنی ہے۔جو جاننے والے ہوتے ہیں وہ جان لیتے ہیں اور جو اعتراض کرنے والے ہوتے ہیں وہ اعتراض کرتے ہیں۔دونوں باتیں بے معنی ہیں۔جو لوگ ان بے معنی باتوں میں پڑ جاتے ہیں وہ اپنا وقت فضول میں ضائع کرتے ہیں اور جو اس طریقے سے حقیقت کو پا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو بھی چُن لیتے ہیں۔ایسے لوگوں پر اللہ پاک کا کرم تھا کہ ان کی نظر چیزوں پر نہیں تھی اور یہ طریقت کا اثر تھا کہ ان چیزوں سے نظر اُٹھ گئی۔جب چیزوں سے نظر اُٹھ جاتی ہے تو اللہ پاک دہانہ کھول دیتے ہیں۔پھر بے حساب دیا جاتا ہے اور وہ بے حساب آگے بڑھاتے ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ اُن کو مخلوق تک پہنچانے کے لیے ذریعہ بنا لیتے ہیں۔حدیث شریف میں آتا ہے ﴿إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي﴾ بے شک میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطاء فرمانے والے ہیں"۔

جو لوگ حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلتے ہیں۔اُن کو اللہ تعالیٰ اس وقت سب کے لیے ایسا بنا دیتے ہیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کے لیے بنایا تھا۔اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر اعمال کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر اُن کے احوال بھی آگے چلتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر اُن کو دیا بھی جاتا ہے اور وہ اس کو آگے منتقل بھی فرماتے ہیں۔یہ حضرات ماشاء اللہ خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں۔ان خوش قسمت لوگوں میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔

متن: بغیر کچھ کھائے پیئے ہمیشہ روزہ سے ہوتے تھے۔اویسی طریقے سے نوازے گئے تھے اور یہی نوازش بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عنایت ہوئی تھی۔اسی وجہ سے آپ سورج سے بھی زیادہ مشہور تھے۔صاحبِ نظر تھے۔اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق کو ترک فرما چکے تھے۔اُن کی مجلس میں تاثیر

تھی۔ کبھی کسی شخص کو رمز کے طور پر اشارت فرماتے۔تو وہ شخص وجد میں آجاتا تھا۔اسرار کے رموز ان پر منکشف ہو گئے تھے۔وضو کرنے کی فضیلت اور اُس کے تمام اسرار اُن پر کھل گئے اور اسی لیے آپ نماز میں بے حد لطف و لذت محسوس کرتے تھے۔آپ دن رات عبادتِ الٰہی میں منہمک اور مصروف رہا کرتے تھے اور عبادت گزاری میں روز افزوں ترقی فرماتے تھے۔

تشریح: اس میں بھی وہی اشکال لوگوں کو ہو سکتا ہے کہ اگر کسی کو فنا کر دیا جائے تو پھر تو انسان سب کچھ کرے گا۔لیکن میں آپ کو اس مسئلے میں اپنے دل کی ایک واضح بات بتا دوں۔مثال کے طور پر آپ کے پاس دس روپے ہیں۔آپ دس روپے میں وہ کر دکھائیں جو آپ دس ارب روپے میں کرنا چاہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو دس ارب کا اجر عطا کرے گا۔لیکن اگر دس روپے میں دل مشغول ہے اور آپ آگے نہیں کر رہے تو پھر آپ کی یہ بات بے معنی ہے کہ میرے پاس دس ارب آئیں گے تو میں یہ کروں گا۔آپ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں آپ وہ کر دکھائیں جو آپ چاہتے ہیں۔جو چیز آپ کے پاس جتنی موجود ہے۔چاہے وہ روحانیت ہے۔عبادت ہے یا کوئی بھی چیز جو آپ کے پاس ہے۔اس میں آپ وہ کر دکھائیں جو آپ کر دکھانا چاہتے ہیں۔جب آپ ایسا کریں گے تو آپ کو اسی طرح کر دیا جائے گا جس طرح آپ چاہتے تھے۔مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ پر نظر ہی نہیں ہوتی کہ مجھے اور دیا جائے گا نتیجتاً ادھر ہی رُک جاتے ہیں۔مثال کے طور پر ایک ہے دروازہ اور ایک ہے دروازے میں آنے والی چیز۔یہ دو مختلف باتیں ہیں اور ایک ہے دروازے میں آنے والی چیز کو لانے والا۔اُس پر نظر ہونی چاہیے۔یہ سب سے اعلیٰ نظر ہے۔جو عارف ہوتا ہے اس کی آخر پر نظر ہوتی ہے۔وہ نہ دروازے پر نظر رکھتا ہے نہ دروازے میں اندر آنے والی چیز پر۔بلکہ اس پر نظر رکھتا ہے جو اُس چیز کو لا رہا ہے۔لہٰذا اس کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔مجھے تنخواہ مل رہی ہے میری نظر تنخواہ پر ہے۔ٹھیک ہے لیکن جو تنخواہ بانٹ رہا ہے اس پر نظر ہو تو پھر تنخواہ پر نظر نہیں رہے گی۔اگر کسی کی دس روپے پر اتنی نظر ہے کہ یہ دیا تو میرے پاس کچھ بھی نہیں

رہے گا۔تو ٹھیک ہے پھر دوسروں پر اعتراض بھی نہ کریں جو دس روپے میں کر رہے ہیں۔یہ بھی نہ کہیں کہ مجھے دس ارب مل جائیں تو میں بھی ایسا کروں گا۔ہم کہتے ہیں میں جو کچھ کر رہا ہوں ﴿وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اس کی توفیق بھی اللہ کی طرف سے ہے۔

تصوف کے اندر اصل چیز یہ ہے کہ میں جو کہہ رہا ہوں مجھے اس کی حقیقت بھی حاصل ہو جائے۔جب میں کہوں سبحان اللہ۔تو سبحان اللہ کی حقیقت مجھے حاصل ہو۔میں جب اللہ اکبر کہوں تو اللہ اکبر کی حقیقت مجھے حاصل ہو۔اُس وقت میں واقعی اُس کو بڑا سمجھوں۔کسی اور کو بڑا نہ سمجھوں۔اللہ اکبر کا مطلب ہے سب سے بڑا تو باقی چیزیں میرے سامنے ہیچ ہو چکی ہوں۔ایسی حالت میں جب اللہ اکبر کہتا ہے۔اس کی اور بات ہے۔اللہ اکبر کے الفاظ کی اور بات ہے۔اب الفاظ سے اس کی اصل کیا ہے؟ یہ تصوف ہے۔

ایک ہے اسمِ ذات اور ایک ہے ذات۔اسمِ ذات سے ذات تک آجائیں۔صوفی آپ کو یہی کراتا ہے۔جب یہ ہو جاتا ہے تو پھر باقی چیزیں خود بخود حاصل ہو جاتی ہیں۔مثلاً اگر آپ بڑے کارخانوں پر چلے جائیں تو وہاں پر ایک prototype ہوتا ہے۔ایک چھوٹی سی چیز ہو گی اُس پر چھوٹا سا prop چل رہا ہوتا ہے۔کوئی شخص اس کو نقشے پر گھما رہا ہوتا ہے۔جیسے جیسے یہ کٹ رہا ہوتا ہے۔دوسری طرف ایک بڑے کمرے جتنا کٹر ایک بڑی چیز کو اسی طرح کاٹ رہا ہوتا ہے۔اب یہ چھوٹی سی چیز کو اُس کے drawing paper پر کاٹ رہا ہے اور اُدھر ایک بڑا کٹر عملی طور پر ایک بہت بڑی چیز کو کاٹ رہا ہوتا ہے۔یہ کارخانے کے اندر ہوتا ہے لیکن یہ اُس وقت ممکن ہے کہ ان دونوں کا system ملا ہو۔اسمِ ذات سے ذات کی طرف آنا۔اس کا connection تمام چیزوں کے ساتھ ہے۔جب آپ اسم ذات سے ذات کی طرف آجائیں تو آپ ظاہر سے باطن کے اندر چلے جائیں گے۔صوفی یہی کرسکتے ہیں۔جیسے وہ شخص بس نقشے پر prop چلا سکتا ہے۔دوسری طرف کٹر خود بخود گھومتا ہے۔اسی طرح صوفی آپ کو اس طرف لاتا ہے باقی چیزیں خود بخود ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ اس

کے ساتھ attach ہیں۔ system موجود ہے۔جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ خود پر نظر نہیں رکھتے بلکہ اللہ پر رکھتے ہیں۔﴿وَمَا تَوۡفِيۡقِيۡٓ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ان کو حقیقی معنوں میں ملا ہوتا ہے۔وہ اپنے عمل کو کچھ نہیں سمجھتے۔کہتے ہیں یہ تو اللہ کی توفیق ہے۔مثلاً اس وقت میں یہ بات کر رہا ہوں۔خدا کی قسم اللہ نہ چاہے تو ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا۔اگر اس وقت میں اس کو اپنا کمال سمجھوں اور کہوں کہ میں نے کیا زبردست تقریر کی۔تو مارا جاؤں گا۔اگر میں بطور observer کہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اگلوا رہا ہے جس طرح آپ سن رہے ہیں اس طرح میں بھی سن رہا ہوں۔تو مجھے اپنی بات پہ غرور یا تکبر نہیں آئے گا کہ اللہ مجھ سے یہ سب اگلوا رہا ہے۔البتہ مجھے خوشی ضرور ہو گی۔لیکن میں اس کو اپنی چیز نہیں سمجھوں گا۔لہٰذا حجابِ نفس نہیں ہو گا اور اسی چیز سے بچنے کا فرمایا۔میرا بیٹا محمد جب چھوٹا تھا۔اس وقت میں کمپیوٹر پر اپنا ایک recorded بیان سن رہا تھا۔وہ حیران ہو گیا کہ میں اپنی تقریر سن رہا ہوں۔وہ بولا ابو کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا بیان سُن رہا ہوں۔کہا کیا سُن رہے ہیں؟ اپنا بیان سن رہے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔بچہ پریشان ہو گیا کہ ابو جھوٹ بول رہے ہیں۔پھر کہا ابو یہ آپ کا بیان ہے۔میں آپ کی آواز کو پہچانتا ہوں۔یہ آپ کی آواز ہے۔میں نے کہا یہ میرا بیان نہیں ہے۔وہ مزید پریشان ہو گیا اور پوچھا پھر یہ کس کا بیان ہے؟ میں نے کہا یہ جو سامنے لوگ بیٹھے تھے ان کا بیان ہے۔یہ اللہ پاک نے ان کے لیے بھیجا تھا۔اب میں سن رہا ہوں کہ اس میں میرے لیے کیا چیز ہے۔بچہ تھا اس کو میری بات سمجھ نہیں آئی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔لیکن اصل بات یہی ہے۔

میں اگر کمرے کے اندر بیٹھ جاؤں تو اس طرح کا بیان نہیں کر سکتا جیسے آپ کے سامنے ہو رہا ہے۔یہ نا ممکن ہے اور کئی بار تجربے ہو چکے ہیں۔اس لیے یقین آجانا چاہیے کہ یہ میرا نہیں ہے۔اگر میرا ہوتا تو کمرے میں زیادہ اچھا ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہاں یکسوئی زیادہ ہے۔سوز زیادہ ہے۔فکر زیادہ ہے اور اِدھر اُدھر کی چیزیں مجھے متاثر نہیں کر رہی۔لہٰذا وہ زیادہ بہتر ہونا چاہیے۔لیکن ایسا نہیں ہے۔

میں آپ کو حضرت مولانا اشرف سلیمانی کا ایک عجیب واقعہ سناتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بہت بلند کرے۔ حضرت ہمارے شیخ ہیں۔ حضرت کی باتیں میں اکثر کرتا رہتا ہوں کہ حضرت نے یہ فرمایا وہ فرمایا۔ کسی نے مجھے کہا کہ آپ پر لازم ہے کہ آپ حضرت کی باتیں کتاب کی صورت میں لے آئیں کیونکہ اس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہو گا۔ مجھے ان کی بات سمجھ آگئی کہ واقعی حضرت کی باتیں کتابی صورت میں آنی چاہئیں۔ لہٰذا میں لکھنے بیٹھ گیا۔ یقین کیجئے ایک مضمون جو چار پانچ صفحوں کا تھا اُس سے زیادہ نہیں لکھ سکا اور وہ باتیں جو میں عام طور پر کرتا ہوں جمع ہو جائیں تو اُس سے کئی کتابیں بن سکتی ہیں۔ چار پانچ صفحوں سے زیادہ کیوں نہیں لکھ سکا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اپنی طرف سے لکھ رہا تھا اور جب دوسروں کے سامنے بیان کرتا ہوں تو اللہ ان کے لیے بھیج رہا ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ ایک دن اُن سے فرمایا آپ لوگوں کو جتنا مجھ سے حاصل ہوا اس سے زیادہ میں نے آپ لوگوں سے حاصل کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم آپ کے شاگرد ہیں۔ ہم نے آپ سے حاصل کیا ہے لیکن آپ نے ہم سے کیا حاصل کیا؟ حضرت نے فرمایا جو مضامین آپ لوگوں کے لیے میرے دل پر القاء ہوتے تھے وہ آپ لوگوں کی وجہ سے مجھے ملے ہیں۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے دلوایا۔ یہ بات ہر جگہ apply ہوتی ہے لیکن کوئی مان لیتا ہے اور کوئی نہیں مانتا اور اس کو اپنا بنا لیتا ہے کہ یہ میں نے کیا ہے۔ ہم زبانی طور پر کہتے ہیں ﴿وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ﴾ لیکن الفاظ کی حقیقت نہ پانے کی وجہ سے ہم پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری بات کیوں نہیں مانی گئی۔ حالانکہ ہم خود کہتے ہیں کہ ہمارا کام صرف پہنچانا ہے۔ لہٰذا جب پہنچا دیا تو بات ختم ہو گئی۔ ﴿وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ﴾ کا یہی مطلب ہے کہ اصل بات تو اللہ کو معلوم ہے اس لیے ہم کچھ نہیں ہیں۔ لیکن ہم اس کی حقیقت پر نہیں آتے جبکہ باتوں سے حقیقت کی طرف آنا ہی اصل ہے۔

حاجی عبد الوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے بہت بڑے آدمی تھے۔ انہوں نے یہ بات اپنے ساتھیوں کو بتائی کہ جو ساتھی یعنی تبلیغ پر چلنے والا معمولات

کا اہتمام نہیں کرتا۔یعنی تہجد،اللہ سے مانگنا اور ذکر اذکار کا اہتمام نہیں کرتا وہ باتونی ہے۔باتونی سے مراد یہ ہے کہ صرف باتیں کرتے ہیں۔اُس کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے۔حقیقت اس وقت آئے گی جب پیچھےاس کا connection ہو گا۔ایک دفعہ ایک صاحب تعلیم کر رہے تھے۔وہاں ایک صاحبِ کشف بھی بیٹھے ہوئے تھے۔اللہ نے ان کو بڑا مقام دیا تھا۔وہ اُٹھ کر چلے گئے کسی نے جانے کی وجہ پوچھی تو فرمایا اوپر سے connection کٹا ہوا ہے۔صرف باتیں کر رہے ہیں۔بعض کا پتہ چل جاتا ہے اور بعض کا نہیں چلتا لیکن حقیقت یہی ہے کہ ہو گا تو بات میں جان آئے گی۔کون اپنے نفس کی طرف سے کہہ رہا ہے اور کون اللہ کی طرف سے۔دونوں میں بڑا فرق ہے۔جو اپنے نفس کی طرف سے کہہ رہا ہے۔ان کی بات ان تک ہے۔جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہہ رہا ہے۔ان کی بات اللہ تعالیٰ تک ہے۔یہی فرق ہوتا ہے۔

ہماری طریقت میں جس چیز کے بارے میں بات کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ ہماری بات ہماری نہ رہے بلکہ ہماری بات اللہ تعالیٰ کی بن جائے۔ہمارا عمل ہمارا نہ رہے بلکہ اللہ جل شانہ کی طرف اس کی نسبت ہو کہ اللہ نے کروا دیا۔یہی چیز اگر آجائے تو سبحان اللہ پھر کامیابی ہے۔اللہ تعالی ہمیں بھی کامیابی عطا فرمائے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

دَدین ظاهر اؤ باطن

(دويمه برخه تېر سره تړلې)

نوټ: دا بيان پۀ بونير کښې دَ حضرت پير بابا عليه رحمة مزار سره نزدې جومات کښې شوې وۀ

حضرت جنيد بغدادي رحمة الله عليه سره يو کس لس کاله تير کړل هغې نه پس هغه روان شو حضرت ترينه تپوس وکړو چې تۀ ولې ځې؟هغه ورته ووې حضرت ما ستاسو نه څۀ کرامت ونۀ ليدو ما خو وې تۀ صاحبِ کرامت يې خو ما څۀ ونۀ ليدل ځکه ځم حضرت ورته غصه شو اؤ ورته يې وفرمائيل پۀ دې لس کاله کښې تا زما نه دَ سُنتو خلاف څۀ کار ليدلے دے؟ هغۀ ورته ووې چې نه ما نۀ دے ليدلے نو حضرت جنيد بغدادي رحمة الله عليه ورته وفرمائيل چې دَ جنيد دَدې نه بل اوچت کرامت څۀ کيدے شي چې پۀ دې لس کاله کښې هغۀ الله تعالىٰ نۀ دے ناراضه کړے څومره لوئے کرامت دے؟ او بيا يې وفرمائيل الاستقامت فوق الکرامة استقامت دَ کرامت نه افضل دے کرامت خو دَ الله تعالىٰ يو نظام دے چې دَ يو ولي دَ اکرام دپاره دَ هغۀ پۀ لاس داسې کارونه وکړي چې هغه عام خلق نۀ شي کولے حضرت عمر رضي الله عنه پۀ منبر ولاړ وۀ اؤ نا ګهانه يې دا وفرمائيل يا ساريه الي الجبل، يا ساريه الي الجبل، يا ساريه الي الجبل صحابه کرام حيران شو چې دا څۀ وائی ؟دا خو پۀ خطبه کښې نشته وروستو چې ساريه رضي الله عنه راغې، هغه پۀ سلګونو ميله لرے وۀ اؤ پۀ جهاد کښې مصروف وۀ چې واپس راغلو نو چا ترينه تپوس وکړو چې داسې چل شوے وۀ دا څۀ خبره ده؟ هغوي ورته ووې ولې تاسو هم دا خبره اورليدلے ده؟خلقو ورته ووې اؤ هغوي ووې چې ما جنګ کؤلو زما دښمن پۀ ما حمله کوله ولې زۀ دَ هغوي دَ حملے نه خبر نۀ وم پۀ دغه وخت کښې ما دَ عمر رضي الله

عنه دا آواز بار بار اوريدو چې يا ساريه الي الجبل، يا ساريه الي الجبل، يا ساريه الي الجبل ما چې شاته وکتل نو دښمن رابانده حمله آور کيدو نو ما ځان مضبوط کړو اؤ الحمد لله مونږ ته فتح نصيب شوه دا کرامت وۀ اؤ داسې کرامت کيدے شي داسې کارونه انبياء کرامو دپاره هم کيدےشي هغې ته معجزه وائی اؤ اولياء کرامو دپاره هم کيدے شي هغې ته کرامت وائی ليکن دا خبره علماء کرامو پۀ کتابونو کښې ليکلې هم ده اؤ زۀ ئې هم اکثر کؤم هغه دا چې کرامت هر څومره اوچت ولې نۀ وي خو هغه دَيو ځل سُبحان الله وئيلو برابر هم نۀ وي يعني سُبحان الله وئيلو سره خو کرامت کيدے شی ليکن کرامت سره دومره اجر نۀ ملاويږي څومره چې يو ځل سُبحان الله وئيلو سره ملاويږي اصل اعمال دي مونږ چې کله اعمال کوؤ زمونږ مونځ چې کله مونځ شو نو الله پاک به زمونږ پۀ حق کښې ډيرے اوچتې اوچتې فيصلې وکړي الله پاک فرمائی "**وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ**"مدد وغواړئ د الله تعالیٰ نه دَ صبر پۀ ذريعه سره اؤ دَ مونځ پۀ ذريعه سره نو دا مونځ دَ الله پاک نه دَ اخستو ذريعه ده نو چې کله زمونږ مونځ صحيح مونځ جوړ شو ان شاء الله العزيز، ان شاء الله العزيز، ان شاء الله العزيز دَ الله پاک پۀ خاصو بندګانو کښې به مونږ شامل شو حضرت جنيد بغدادي رحمة الله عليه چا دَ وفات نه پس پۀ خوب کښې وليدو نو تپوس ئې ترينه وکړو چې حضرت تا سره څۀ وشو؟هغوي ورته وفرمائيل چې هغه غټې غټې مسئلې کومې به چې مونږ بيانولے هغه ټولے پکار رانۀ غلے صرف هغه واړۀ واړۀ سورتونه کوم چې به ما پۀ تهجدو کښې لوستل هغه زما پکار شو اصل خبره دا ده چې تاسو کۀ قرآن وګورئ قرآن پاک د الله تعالیٰ کتاب دے هغه ټول دَ اعمالو دَ ترغيب نه ډک دے اعمال به کوئ،اعمال به کوئ،اعمال به کوئ تاسو ګورئ شورو دَ څۀ نه کيږي

"اَعُوْذُ بِاللّٰه مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

پهٔ دې کښې دَ څهٔ دعوت دے؟ الله پاک فرمائی هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ دا قرآن هدايت دے دَ چا دپاره؟ دَ تقوىٰ دارو دپاره تقوىٰ دار څوک دي؟ "اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ" هغه کسان چې پهٔ غيبو ئې ايمان راوړے دے وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ اؤ مونځ قائموی وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اؤ کوم څيز چې ورته الله تعالىٰ نصيب کړے دے دَ هغې نه دَ الله تعالىٰ پهٔ لار کښې خرچ کوي اؤ "وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ" کومه وحي چې الله تعالىٰ پهٔ تا نازله کړے ده اؤ کومه وحي چې دَ دې نه مخکښې نازله شوے ده پهٔ هغې باندے ايمان راؤړي اؤ پهٔ آخرت باندے يقين ساتي دَ داسې خلقو دپاره ډيره لويه خوشخبري ده "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" هم دا خلق يقيناً کامياب دي نو کهٔ مونږ هم ځان کامياب ول غواړو نو اعمال به کول غواړي خو دا اعمال دوه قسمه دي يو اعمال هغه دي کوم چې مونږ پهٔ لاسو پښو کؤ دې ته دَ جوارحو اعمال وائی لکه مونځ شو، روژه شوه، زکات شو، حج شو، معاملات شو دا دَ جوارحو اعمال دي دا اعمال خلقو ته ښکاري زهٔ چې مونځ کؤم نو خلقو ته ښکاري، زهٔ چې روژه نيسم دَ خلقو پهٔ مخکښې ئې ماتوم اګرچې خلقو ته پته نهٔ لګي ليکن دومره خو ورته معلوميدې شي چې روژه ئې وه اؤ چې زهٔ حج کوم ، زکات ورکوم نو خلق هغه هم ويني نو دا ټولې خبرې چې دين سره تعلق لري دا ټولې د ظاهر خبرې دي اؤ پهٔ دې باندې الله پاک ډير اجر ورکوي دَ دې اعمالو مثال لکه دَ لوښي دے ليکن پهٔ دې اعمالو کښې حقيقت هله راځي چې دَ زړهٔ

اعمال ورسره شامل شي دَ زړهٔ اعمال څهٔ دي ؟ دَ زړهٔ اعمال دا دي چې پهٔ زړهٔ کښې تقويٰ وي،پهٔ زړهٔ کښې دَ الله تعالیٰ مينه وي، پهٔ زړهٔ کښې خشوع اؤ خضوع وي کهٔ دا ظاهري اعمال زمونږ دَ زړهٔ دَدې اعمالو نه خالي وي نو دا اعمال به مونږ ته واپس کړې شي دا اعمال به نهٔ قبليږي زهٔ تاسو ته دَ يو حديث شريف مفهوم بيانوم دا حديث شريف دَ حضرت ابوهريرة رضي الله عنه نه روايت دے کله چې به حضرت ابوهريرة رضي الله عنه دا حديث شريف بيانولو نو بيا بيا به پرې بې هوشي راتله اؤ بيا به ئې دا حديث شريف بيانولو هغه حديث شريف دا دے چې حضور صلي الله عليه وسلم دا وفرمائيل چې پهٔ درې قسمه خلقو به جهنم گرميږي يو عالم باندې کوم عالم؟ چې هغهٔ علم دَ دنيا دپاره حاصل کړے وي يعني هغهٔ علم پهٔ دې وجه حاصل کړے وي چې ماته خلق عالم ووائی اؤ بل هغه کس چې هغه سخي وي ليکن هغهٔ سخاوت دَ الله دپاره نهٔ وي کړے بلکه دې دپاره ئې کړے وي چې خلق راته سخي ووائی اؤ بل شهيد چې هغه دې دپاره جنگيدلې وي چې خلق ما ته بهادر ووائی نو تاسو سوچ وکړئ چې دا درې واړه کسان څومره اوچت خلق دي عالم هغه کس دے دَ چا باره کښې چې حضور پاک صلي الله عليه وسلم فرمائيلی دی چې دَ عالم پهٔ عابد داسې فضيلت دے لکه څنګه چې ماته پهٔ تاسو کښې پهٔ يو ادنيٰ کس باندې فضيلت حاصل دے اؤ حضور پاک صلي الله عليه وسلم فرمائيلی دی العلماء ورثة الانبياء عالمان دَ انبياؤ وارثان دي دا ټولې خبرې صحيح دي اؤ پهٔ حقه دي ليکن دا خبره هم صحيح ده کهٔ علم دَ الله دپاره نهٔ وي نو دا علم به ورته پهٔ مخ باندې ورغورځولې شي اؤ دې به دَ جهنم خشاک جوړيږي دغه شان سخاوت هم ډير اوچت عمل دے پهٔ حديث شريف کښې راځي چې پهٔ دوؤ کسانو تاسو رشک کولې شئ يو عالم چې هغه دَ الله تعاليٰ دَ رضا دپاره خپل علم شپه اؤ ورځ خوروي اؤ

يو هغه سخي چې هغه خپل مال شپه اؤ ورځ دَ الله تعالیٰ دَ رضا دپاره خلقو باندې خرچ کوي تاسو دوي باندې رشک کولې شئ نو سخاوت ډیر اوچت عمل دے اؤ ډیر فضیلتونه ئې دي لیکن څوک چې صدقه دَ الله تعالیٰ دَ رضا دپاره نهٔ ورکوي بلکه دې دپاره ورکوي چې خلق ما ته سخي ووائی نو هغه به جهنم ته رسي دغه شان شهادت دومره اوچت څیز دے چې الله پاک پهٔ قرآن پاک کښې فرمائی "**وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ**" تاسو مهٔ وائۍ هغه کس ته مړے څوک چې دَ الله پاک پهٔ لار کښې شهید شوې دے هغه ژوندې دے لیکن تاسو ته ئې پته نهٔ لګي دومره لوئې عظمت ورته الله پاک ورکړې دے هغهٔ تهول ژوند دَ الله پهٔ لار کښې فنا کړو نو الله تعالیٰ هغه همیشه دپاره ژوندې کړو دومره اوچت ژوند ورته الله پاک نصیب کړو لیکن تاسووګورئ کهٔ دا کار هغهٔ دَ الله پاک دَ رضا دپاره نهٔ وي کړے بلکه دې دپاره ئې کړې وي چې ماته دې خلق بهادر ووائی نو دا دَدهٔ پکار نهٔ شو

نو دا دَ زړهٔ اعمال ډیر زیات ضروري دي بغیر دَ زړهٔ ددې اعمالو نه دا ظاهري اعمال نهٔ قبلیږي دا ظاهري اعمال هم ضروري دي کهٔ دا ظاهري اعمال مونږه نه کؤنو بیا هغهٔ څیزونه به څهٔ کښې راځي ؟ کهٔ لوښې نهٔ وي نو مونږ به پئ څنګه ږدو یا اوبهٔ به څنګه ږدو؟ لوښې ورته پکار دے هغه لوښې خو زمونږ مقصود نهٔ وي بلکه څهٔ چې لوښي کښې وي هغه زمونږ مقصود وي لیکن لوښې پکار خو دے ورته۔ نو دغه حساب سره مونځ چې مونږ کؤنو هغه به هله الله تعالیٰ ته رسي چې مونځ کښې خشوع وي، مونځ کښې خضوع وي اؤ پهٔ مونځ کښې اخلاص وي نو هله به دا الله تعالیٰ ته رسي زمونږ قرباني به هم هله الله تعالیٰ ته رسي چې هغې کښې اخلاص وي ابراهیم علیه سلام فرمائی "**اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**" بے شکه زما مونځ، زما قرباني، زما ژوند اؤ زما مرګ دا ټول دَ الله تعالیٰ دپاره دي

نو بهر حال دا ټول څيزونه به مونږ کښې څنګه پيدا کيږي؟ دې دپاره به مونږ صوفياء کرامو ته ځو صوفياء ته تګ دَ سيل دپاره نهٔ دے دا ډير اهم څيزدے نو دوي ته تګ دې دپاره پکار دے چې زمونږ آخرت جوړ شي دې دپاره پکار دے چې مونږ دوي اووينو چې دوي خپل ټول ژوند دَ الله تعالیٰ دپاره وقف کړے وو يعني دا حضرت پير بابا رحمة الله عليه پهٔ کندک بدخشان (افغانستان) کښې پيدا شوې وهٔ اؤ خپل ټول ژوند ئې دلته بونير کښې تير کړو دا څهٔ وجه وه؟ دَدې دپاره دوي دلته راغلي وو چې الله تعالیٰ زما نه راضې شي نو مونږ به دا څيزونه دَ صوفياء کرامو نه حاصلؤ اؤ دا څيزونه حاصلول ضروري دي دَدې دپاره مونږ ته پکار دي چې مونږ صحيح خلق وپيژنو ځکه چې هريو ښهٔ څيز کښې نمبر دو ډير زر راځي چې کومه دوائی پهٔ مارکيټ کښې ډيره ګرانه وي دَ هغې نمبر دو ډير زر راؤځي دغه حساب سره چې کوم مفيد څيزونه وي پهٔ هغې کښې هم نمبر دو ډير زر راؤځي نو پهٔ تصوف کښې هم نمبر دو ډير زر راؤځي اؤ خلق دَ ځان نه پيران جوړ کړي اګرچه پيران نهٔ وي ليکن دَ کشفونو اؤ کرامتونو قصې پهٔ خلقو کښې خورې کړي دَدې دپاره ښځې هم استعمالوي اؤ دَدې دپاره سړي هم استعمالوي اؤ دَ کشفونو اؤ کرامتونو قصې خلقو کښې مشهورې کړي اؤ دغه شان خلق ورباندې رامات شي خلق وائی جوړې دا ئې رښتيا وئيلي دي نو مونږ له پکار دي چې دَ صحيح پيرانو نښې وپيژنو اؤ دغه نښې پکښې لټؤ علماء کرام وائی چې دوي کښې اتهٔ نښې پکار دي هغه اتهٔ نښې کومې دي؟ يوه نښه دا ده چې ددهٔ عقيده به د اهلِ سُنت والجماعت عقيده وي دويمه دا چې دهٔ ته به دَ شريعت فرضِ عين علم حاصل وي فرضِ عين علم کوم علم دے؟ هغه اعمال کوم چې پهٔ مونږ فرض دي دَ هغې علم هم پهٔ مونږ فرض دے طلب العلم فريضة علیٰ کُل مسلم و مسلمة هغه علم چې کوم زمونږ فرائضو ژوندي کولو دپاره پکار دے هغه علم به مونږ

ټول حاصلؤ پهٔ هغې کښې دا نشته چې زهٔ بې تعليمه يم ما ته علم نشته نه دا پکښې نشته لکه اوس تاسو ته دَ سجده سهوه مسئله راغله اوس تاسو پهٔ مونځ کښې غلط شوئ اؤ سجده سهوه راغله نو آيا تاسو به هغه وخت کښې کتاب ګورئ؟ دغه وخت کښې خو دَ کتاب کتلو موقع نشته دغه وخت کښې خو به تاسو فيصله کوئ نو دَدې علم مونږ ته دَ مخکښې نه پکار دے دغه شان دَ مونځ چې کوم احکامات دي هغه مونږ ته دَ مخکښې نه معلوم پکار دي دَ زکات چې کوم احکامات دي هغه دَ مخکښې نه مونږ ته معلوم پکار دي دَ روژې چې کومې مسئلې دی هغه دَ مخکښې نه مونږ ته معلومې پکار دي اؤ کله چې څوک حج ته ځي نو دَ حج مسئلې ورته د مخکښې نه معلومې پکار دي نو دا فرضِ عين علم ټولو ته حاصل پکار دے دريمه خبره چې پهٔ دې فرضِ عين علم به ددې پير صاحب عمل وي دا نه چې نورو خلقو ته به دې مسئلې کوي اؤ پخپله به پهٔ دې عمل نهٔ کوي ږيره به نهٔ ساتي،چرس به څښي، شريعت پورې به ټوقې کوي، ډمې به ګډوي، ډمو ته به ګوري دا کوم ځائې کښې پيري راغله؟ دا پيري نهٔ ده دا بدمعاشي ده پير څهٔ ته وائي؟ پير دَ شريعت رڼا خوروي اؤ دَ طريقت رڼا خوروي دَ شريعت پهٔ اعمالو کښې دَ زړهٔ رڼا اچوي پير هغه وي چې هغه دَ شريعت پهٔ ظاهر اؤ باطن دواړو باندې عامل وي دَ هغهٔ ظاهري اعمال به هم دَ شريعت مطابق وي اؤ دَ هغهٔ زړهٔ به هم ټيک وي

بهر حال دَ داسې قسم خلقو نه به مونږ ځان ساتو څوک چې پهٔ شريعت عمل نهٔ کوي حضرت پير بابا رحمة الله عليه يو کال دلته پهٔ دې جهاد کښې تير کړې دے دَ داسې پيرانو خلاف هغوي دلته جهاد کړے دے اؤ زهٔ اميد کوم چې زما دا خبره به الله تعالیٰ هغوي ته ورسوي اؤ هغوي به پهٔ دې خبره خوشحاله شي چې دلته دَ غلطو پيرانو خلاف خبره وشوه

نو بهر حال غلطو پيرانو ته به مونږ نهٔ ځو څلورمه خبره

دا ده چې دې پیر صاحب به دَ ښو خلقو صحبت حاصل کړے وي اؤ دَ صحبت دا سلسله به حضور پاک صلی الله علیه وسلم ته رسي زمونږ په دې پاکستان هندوستان کښې څلور سلسلې مشهورې دي یو سلسله چشتیه ده، یو سلسلهٔ قادریه ده ، یو سلسله سهروردیه ده اؤ یوسلسله نقشبندیه ده دا ټولې سلسلې حقې سلسلې دي یو ته هم په بله سلسله برتري نشته البته چا ته هم چې دَ کومې سلسلې نه فائده وشوه دَ هغهٔ دپاره هغه ښهٔ ده نو دَ پیر بابا علیه رحمة سلسله چشتیه وه دا برکت هغوي د اجمیر شریف نه دَ سالا ر رومي رحمة الله علیه دَ طرف نه راوړې وهٔ اؤ بیا ئې پهٔ دې علاقه کښې خور کړې وهٔ نو دا سلسلې حضور پاک صلی الله علیه وسلم ته رسي کهٔ څوک دَ حضرت سلسله معلومول غواړي نو دَ حضرت شجره موجوده ده دا شجرې مونږ ته پهٔ دې وجه کتل پکار دي چې مونږ پهٔ سند باندې یقین وکړو ګورئ هغه حدیث شریف چې دَ هغې راویان کمزورې وي نو پهٔ هغې باندې فقهي مسئله کښې عمل نهٔ کیږي داسې حدیث شریف ته ضعیف وائی حالانکه هغه به حدیث وي کېدے شي چې هغه دَ حضور صلی الله علیه وسلم خبره وي لیکن چې راویان کمزورې وي نو هغه پهٔ فقهه کښې نهٔ استعمالیږي دغهٔ حساب سره چې دَ کومو صوفیانو سلسلهٔ منقطع وي نو پهٔ هغې عمل نهٔ شي کېدے هغه صوفیان مونږ پیران نهٔ شو منلے زما پهٔ خبره پوه شوئ؟ نو داسلسلې پهٔ دې وجه ضروري دي اؤ پنځمه خبره پهٔ هغې پیر صاحب کښې دا ده چې هغه ته به هغه پیرانو کښې چا اجازت ورکړے وي دا کس به مستند وي آیا تاسو چرته پهٔ داسې ډاکټر علاج کوئ چې هغه سره دَ میډیکل ډګري نهٔ وي؟ تاسو پهٔ دې ډګریانو پسې ولې ځئ؟ چې دهٔ سره دَ لندن ډګري ده، دهٔ سره دَ امریکې ډګري ده دې ډګریانو پسې تاسو ولې ځئ؟ ځکه چې ستاسو پهٔ دغه ډګریانو اعتماد وي چې دا کس پهٔ رښتیا ډاکټر دے دهٔ امتحان اخستے شوې دے اؤ دې کامیاب شوې دے دغه

شان چي دَ کومو پيرانو امتحان اخستي شوې وي نو هغوي پۀ رښتيا پيران وي هغوي ته سند ورکړې شوې وي دغې سند ته خلافت وائی اؤ شپږمه خبره دا ده چي داسې کس ته چي څوک خپلي اصلاح دپاره راځي نو پۀ هغوي کښي به تبديلي راځي دا تبديلي به مثبت تبديلي وي کۀ مخکښي ئې مونځ نۀ کولو نو اوس به مونځ کوي، کۀ مخکښي ئې ږيره نۀ وه اوس به ئې وروورو ږيره راشي، کۀ مخکښي ئې سمې جامې نۀ اغوستي اوس به سمې جامې اغوندي، کۀ مخکښي ئې پۀ شريعت عمل نۀ کولو اوس به پۀ شريعت عمل کوي ، دَ هغۀ معاملاتو کښي به صفائی پيدا کيږي،دَ هغۀ اخلاق به هم ښائسته کيږی وروورو به هغه بدليږي کۀ تاسو وويني چي ډير خلق دَ هغۀ پۀ لاس بدليږي نو پوه شئ چي دا پير ټيک دے اؤ اوومه خبره دا ده چي کوم کسان دۀ ته راځي نو لکه دَ ډاکټر پۀ شان به ورله علاج کوي دا به نۀ ګوري چي دا اسان علاج ورته ورکوم اؤ ګران نه کۀ چا ته دَ آسان علاج ضرورت وي هغۀ ته به آسان علاج ورکوي اؤ کۀ چا ته دَ ګران علاج ضرورت وي نو هغۀ ته به ګران علاج ورکوي بعضې کسان داسې وي چي هغوي بالکل تيار وي اؤ راتلو سره ورته خلافت ورکړې شي اؤ بعضې کسان داسې وي چي ديرش ديرش څلويښت څلويښت کاله پراتۀ وي اؤ بيا هم هغوي ته خلافت نۀ ملاويږي ځکه چي هغوي کښې ددې صلاحيت لا نۀ وي نو دا پير صاحب به مروّت نۀ کوي اؤ آخري اؤ اتمه نښه دا ده چي داسې کس سره چي څوک ملاويږي يا دَ هغۀ پۀ مجلس کښي کښيني نو خدائې ورته يادېږي، آخرت ورته رایاد شي، نيک اعمال ورته رایادیږی اؤ لږ وخت دپاره دَ هغۀ دَ زړۀ نه دَ دنيا مينه لرے شي

نوچي دا نښې چا کښي هم وي نو پوه شئ چي دا ولي الله دے اؤ الله جل شانه پۀ دۀ فضل کړے دے اؤ دې ئې زما دپاره ذريعه جوړ کړې دے نو پۀ دې وجه باندې زۀ دۀ

پهٔ لاس کښي لاس ورکوم يا دهٔ سره تعلق جوړوم اؤ آئينده دپاره به زهٔ ددهٔ پهٔ مجلس کښي کښېنم اؤ ددهٔ نه به الله پاک ما ته خير رارسوي نو بهر حال دا خبرے ډيرې ضروري دي ان شاء الله دَ جمعې دَ مونځ نه پس به دَ ذکر مجلس وي اؤ دا ذکر به دَ پير بابا عليه رحمة دَ سلسلې دَ چشتي سلسلې ذکر وي ځوک چې هم پکښې شرکت کول غواړي نو هغوي پکښې شامليدې شي وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

دین کا ظاہر اور باطن

(دوسرا حصہ۔ گزشتہ سے پیوستہ)

نوٹ : یہ بیان بونیر میں حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب مسجد میں ہوا تھا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس ایک بندہ دس سال گزار کر جانے لگا تو حضرت جنیدؒ نے اس سے دریافت کیا کہ کیوں جا رہے ہو ؟ اس شخص نے جوا ب دیا کہ حضرت میں نے ان دس سالوں میں آپ کے پاس کوئی کرامت نہیں دیکھی ۔حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔ کبھی ان دس سالوں میں تم نے مجھ سے کوئی خلافِ سُنت عمل کرتے دیکھا ہے ؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ بالکل نہیں دیکھا ۔تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر جنید کی کیا کرامت ہوگی کہ اس نے دس سال میں اللہ کو ناراض نہیں کیا۔اور پھر فرمایا کہ "اَلْاِسْتَقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ" استقامت کرامت سے اونچی ہے ۔تو یہ کرامت دراصل اللہ کا نظام ہے کہ وہ اپنے ولی کے اکرام میں ایسے کام اس کے ذریعے کرواتا ہے جو عام انسان نہیں کرسکتا ۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے ۔اچانک خطبے کے دوران تین مرتبہ فرمایا "يَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ "تو صحابہ حیران ہو گئے کہ یہ الفاظ تو خطبہ میں نہیں ہیں۔اس وقت حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کئی میل دور دشمنوں

سے جنگ میں مصروف تھے ۔ جب حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو صحابہ نے ان سے پوچھا کہ اے ساریہ کیا آپ نے بھی سنا تھا؟ تو حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں ہم جنگ میں مصروف تھے اور دشمن نے ہماری پشت سے حملہ کرنا چاہا تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لگاتار یہ آواز سنائی دی کہ **يَاسَارِيَةُ الْجَبَلَ ، يَاسَارِيَةُ الْجَبَلَ** ، تو جب میں نے پیچھے پہاڑ کی طرف دیکھا تو دشمن وہاں سے حملہ آور ہورہا تھا ۔تو ہم نے اس کو روکا اور پسپا کیا۔ تو یہ کرامت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی۔ اس طرح کے کام اگر نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو جائیں تو وہ معجزہ ہوتی ہے اور اگر اولیاء کرام کے ہاتھ پر ظاہر ہو جاتی ہے تو وہ کرامت ہوتی ہے ۔ تو میں یہ بات اکثر کرتا ہوں اور یہ بات علماء کرام نے بھی کہی ہے کہ بڑی سی بڑی کرامت ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے سے بڑی نہیں ہو سکتی ۔کیوں ؟سبحان اللہ اعمال ہیں اور اصل چیز اعمال ہی ہیں۔ ہمارے اعمال اللہ کے سامنے ہمارے لئے بہت بڑے فیصلے کریں گے جیسا کہ نماز ہے۔نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " **وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط** "مدد مانگو اللہ سے نماز اور صبر کے ذریعے سے ۔یہ نماز ذریعہ ہے اللہ پاک سے مانگنے کا ۔تو جب ہماری نماز اصل نماز بن جائے گی تو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے خاص بندوں میں شامل فرما دیں گے۔ کسی نے حضرت جنید بغدادیؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کے ساتھ اللہ پاک نے کیا معاملہ کیا ؟تو حضرت نے فرمایاکہ وہ تمام باتیں اور تصوف کے مسائل جو میں بیان کرتا تھا وہ کچھ کام نہ آیا سوائے ان چند چھوٹی سورتوں کے جو میں تہجد کی نماز میں پڑھتا تھا بس وہ کام آگئی ۔اصل بات یہ ہے کہ اگر آپ قرآن کو دیکھیں تو وہ پورا کا پورا اعمال سے بھرا ہوا ہے کہ اعمال کو کرو، اعمال کو کرو۔ شروع کیسا ہوتا ہے؟ کہ "**اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ**

عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟اس کتاب میں کوئی شک نہیں اور یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔ تقویٰ دار کون ہیں؟"اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ "وہ جو غیب پر ایمان لائے ، نماز قائم کرتے ہیں اور جو مال اللہ نے ان کو عطا کیا اس میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں ۔ "وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ" اور ایمان لاتے ہیں اس وحی پر جو تجھ پر نازل ہوئی اور جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں ۔" اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" تو یہی لوگ یقیناً کامیاب ہیں۔تویہاں پر بھی اعمال کی بات ہوئی ہے۔اس کے لیے ہمیں یقیناً اعمال کرنے پڑیں گے۔

اعمال کی بھی دو اقسام ہیں ۔ایک وہ اعمال جو ہم اپنے اعضاء یعنی ہاتھ پاؤں سے کرتے ہیں انکو اعمالِ جوارح کہتے ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ ، حج، زکوٰۃ، معاملات وغیرہ تو یہ اعمالِ جوارح ہیں جو لوگوں کو نظر آتے ہیں ۔یعنی میں نماز پڑھتا ہوں تو لوگ دیکھتے ہیں، روزہ لوگوں کے سامنے افطار کرتا ہوں، اگرچہ میرے روزہ کے بارے میں ان کو معلوم نہ ہو مگر افطار ان کے سامنے کیا تو پتہ چل گی۔اسی طرح حج لوگوں کے سامنے ہے اور زکواۃ بھی اکثر لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔ اعمالِ جوارح کی مثال ایک ظرف کی سی ہے اور اعمالِ قلب اس برتن کے مظروف ہیں۔ یہ اعمالِ قلب کیا ہیں؟ کہ دل میں تقویٰ ہو ، دل میں اللہ کی محبت ہو ، خشوع ہو اور نیت درست ہو۔یہ تمام اعمال دل کے ہیں ۔ اگر یہ ظاہری اعمال دل کے ان اعمال سے خالی ہوں تو یہ اعمال ہمارے رد ہو جائیں گے قبول نہیں ہوں گے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ۔ جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے تو بار بار اُن پر غشی طاری ہوتی تھی اور پھر یہ حدیث بیان فرماتے۔ وہ حدیث شریف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم تین قسم کے لوگوں سے گرمائی جائے گی ایک عالم ہو گا۔کیوں؟ کیونکہ اس نے

علم دنیا کے لیے حاصل کیا ہو گا کہ لوگ اس کو عالم کہیں۔ دوسرا سخی جس نے سخاوت اس لیے کی ہو گی کہ لوگ اس کو سخی کہیں۔ اس نے سخاوت اللہ کے لیے نہیں کی ہو گی اور تیسرا شہید کہ لوگ اس کو بہادر کہیں۔عالم وہ شخص ہے جس کے بارے میں رسول ﷺ نے فرمایا کہ عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے ایک ادنیٰ شخص پر ہے اور فرمایا کہ "اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ" علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں۔یہ تمام باتیں درست ہیں اور یہ بھی کہ اگر یہ علم خالص اللہ کے لیے نہ کیا تو پھر ایسا عالم جہنم میں جائے گا۔ اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو قسم کے لوگوں پر رشک جائز ہے ایک وہ عالم جو صبح شام اپنا علم لوگوں میں تقسیم کرتا ہے اور دوسرا سخی جو لوگوں میں صبح شام مال تقسیم کرتا ہو۔ تو سخاوت بہت اونچی چیز ہے لیکن اگر یہ بھی اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو تو ایسا سخی بھی جہنم میں ڈالا جائے گا۔اسی طرح شہادت کے لیے اللہ پاک فرماتے ہیں " وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ " وہ شخص جو اللہ کے راستہ میں لڑ کر قتل ہوا اس کو مردہ مت کہو دراصل وہ زندہ ہے مگر تم لوگ نہیں جانتے۔ان لوگوں نے اتنی اونچی زندگی اس وجہ سے حاصل کی کہ انہوں نے اللہ کے راستہ میں موت پائی۔ لیکن اگر یہی موت اللہ کی رضا کے لیے نہ ہوتی تو پھر ٹھکانہ جہنم ہے۔ تو بس اگر اعمالِ قلب نہ ہوں تو اعمالِ جوارح کا قبول ہونا مشکل ہے۔ ظاہری اعمال کے لیے قلبی اعمال کا ہونا ضروری ہے۔ نماز بھی تب اللہ تک پہنچ پائے گی اگر اس میں خشوع اور خضوع ہو اور اس میں نیت درست ہو تب یہ نماز کامیاب ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔"اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ " بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ پاک کے لیے ہے۔

تو بہر حال ان تمام چیزوں کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے ہمیں صوفیائے کرام کے پاس جانا ہو گا۔ صوفیائے کرام کے پاس دنیا کے لئے نہیں جانا چاہیے بلکہ اس لیے جانا چاہئیے کہ ہمیں آخرت یاد آ جائے اور ہم دیکھیں کہ

کیسے ان لوگوں نے اپنی زندگی مکمل طور پر اللہ کے لیے وقف کی ہے۔ جیسے یہ بزرگ حضرت پیر باباؒ افغانستان کے علاقے بدخشاں میں پیدا ہوئے مگر ساری عمر یہاں گزاری ۔اس کی کیا وجہ تھی؟ اس کی وجہ یہ تھی ان کو یہ فکر تھی کہ اللہ پاک مجھ سے راضی ہو جائے۔ اس لئے ہم ان سے یہ چیزیں حاصل کریں گے۔صوفیائے کرام سے ہم نے یہ چیزیں حاصل کرنی ہیں جو کہ بہت ضروری ہیں۔ مگر ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم صحیح صوفی کے پاس جائیں کیونکہ جو بھی مفید چیز ہوتی ہے اُس کی نمبر دو بہت جلدی آتی ہے۔ جو دوائی مہنگی ہو اُس کا نمبر دو بہت جلدی آجاتا ہے ۔اس طرح تصوف میں بھی نمبر دو چیزیں نکل آئیں ہیں۔ لوگ اپنے آپ کو پیر کہتے ہیں اگرچہ وہ پیر نہیں ہوتے ۔ اپنے کشف و کرامات کے قصے کہانیاں لوگوں میں مشہور کروا دیتے ہیں اور اس کے لیے عورتوں اور مردوں دونوں سے کام لیتے ہیں ۔ بس پھر لوگ ٹوٹ ٹوٹ کر ایسے دو نمبر لوگوں کے پاس جاتے ہیں ۔ تو اصل صوفی ،اصل پیر کی نشانیاں ہمیں معلوم ہونی چاہیے جو علماء کرام نے بھی بیان فرمائیں ہیں اور وہ 8 نشانیاں ہیں۔

پہلی بات (1) عقیدہ اہلِ سنت والجماعت کا ہو۔

دوسری بات (2) اس کو شریعت کا فرضِ عین علم حاصل ہوگا۔فرضِ عین علم کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام کام جو ہم پر فرض ہیں ان کا علم بھی فرض ہے ۔نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور ان جیسے تمام فرائض کا علم معلوم ہو۔

تیسری بات (3) اس علم پر اس پیر صاحب کا عمل بھی ہو گا۔ ایسا نہیں کہ دوسروں کو نصیحت کرتا ہو اور خود عمل نہ کرتا ہو۔ڈارھی نہ رکھتا ہو، چرس پیتا ہو، نشہ کرتا ہو، عورتوں کو نچاتا ہو ،تو یہ پیری نہیں یہ بد معاشی ہے۔ پیر تو وہ ہوتا ہے جو شریعت و طریقت کی روشنی لیے پھرتا ہو اور لوگوں میں تقسیم کرتا ہو۔ اس کے اعمال بھی درست ہوں گے اور دل بھی درست ہو گا۔ حضرت پیر باباؒ نے ایک سال جہاد میں گزارا ہے اور خاص کر ایسے پیروں کے خلاف جو کہ شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے، دو نمبر تھے۔ اور میں امید کرتا ہوں

انشاء اللہ میری یہ بات اللہ تعالیٰ نے بابا تک پہنچائی ہو گی اور وہ اس پر خوش ہوئے ہوں گے کہ یہاں پر یہ بات ہو گئی ہے۔ تو بہر حال غلط پیروں کے پاس ہمیں نہیں جانا ہو گا۔

چوتھی نشانی (4)ان کی یہ ہے کہ اس شخص نے نیک لوگوں کی صحبت حاصل کی ہو گی اور اُس کی صحبت کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہو گا۔ ہندوستان پاکستا میں چار قسم کی سلسلے ہیں اور یہ تمام سلاسل حق پر ہیں۔ ان میں ایک قادریہ ہے، ایک چشتیہ ہے، ایک سہر وردیہ ہے، ایک نقشبندیہ ہے۔ کسی سلسلہ کو کسی دوسرے سلسلہ پر برتری ہر گز حاصل نہیں۔ تمام سلسلے بر حق ہیں۔ ہاں جس کسی کو جس سلسلے میں اللہ پاک قبول فرمائیں وہ سلسلہ اس کے لیے بہتر ہے۔ تو حضرت پیر باباؒ کا سلسلہ چشتیہ تھا۔ یہ برکت ان کو اجمیر شریف میں حضرت سالار رومیؒ سے ملی تھی اور اس علاقے میں حضرت نے اس پر محنت کی۔ اگر کوئی حضرت کے سلسلہ کے بارے میں پوچھتا ہے تو میں بتاتا ہوں کہ حضرتؒ کا شجرہ موجود ہے جو رسول ﷺ تک پہنچتا ہے۔ ہمیں سند کو دیکھنا چاہیے۔ دیکھیں جس حدیث شریف کے راوی کمزور ہوں اس حدیث پر عمل مشکل ہو جاتا ہے اور وہ ضعیف حدیث ہوتی ہے اگر چہ وہ بات رسول اللہ ﷺ کی ہی ہوتی ہے لیکن چونکہ راوی کمزور ہیں اس لیے وہ فقہ میں استعمال نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اُن پیروں کا سلسلہ جن کی کڑی درمیان سے ٹوٹی ہوئی ہو مکمل نہ ہو ان کو ہم پیر نہیں کہیں گے۔

پانچویں (5) بات یہ اس کو کسی صاحبِ سلسلہ بزرگ نے اجازت دی ہو گی۔ آپ لوگوں نے کبھی کسی بغیر ڈگری والے ڈاکٹر سے علاج کروایا ہے؟ نہیں۔ بلکہ آپ لوگ ایسے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں جس کے پاس USA, UK کی ڈگری ہو کیونکہ اس کی ڈگری پر آپ کو اعتماد ہوتا ہے کہ یہ واقعی ڈاکٹر ہے کیونکہ اس کا امتحان لیا گیا ہے اور یہ امتحان میں کامیاب ہو چکا ہے۔ اسی طرح جو صحیح پیر ہوتے ہیں ان کا امتحان بھی لیا گیا ہوتا ہے اور جو سند ان کو دی جاتی ہے اس کو تصوف میں خلافت کہتے ہیں۔

چھٹی بات (6) جو لوگ ان کے پاس آتے ہیں آپ دیکھیں گے کہ ان میں مثبت تبدیلی آتی ہے۔ مثلاً پہلے بے نمازی تھا تو اب نماز پڑھنے لگا، داڑھی نہیں تھی تو اب داڑھی رکھ لی۔ پہلے اگر بے ڈھنگ کپڑے پہنتا تھا تو اب سنت والا لباس زیب تن ہو گا۔اب شریعت پر عمل کرنے والا ہو گا، اس کے معاملات اور اخلاق میں نکھار آئے گا اور آہستہ آہستہ وہ بدلے گا اور جب آپ دیکھیں کہ بہت سے لوگ اس کے ہاتھ پر بدل رہے ہیں تو یہ پیر صحیح ہے۔

ساتویں بات (7) ان میں یہ دیکھنی ہے کہ وہ مروت نہ کرتا ہو اصلاح کرتا ہو۔ یعنی جو لوگ اس کے پاس آتے ہوں ان کی بیماری کے مطابق ان کا علاج کرتا ہو۔ جس کو سخت دوا کی ضرورت ہو گی اس کا علاج سخت دوائی سے کرے گا اور جس کو دوا نرم دینی ہو گی اس کا علاج نرم انداز سے کرتا ہو۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ تیار ہو کر آئے ہوئے ہوتے ہیں ان کو خلافت مل جاتی ہے اور بعض لوگ 40سال پڑے رہتے ہیں مگر خلافت نہیں ملتی کیونکہ ان میں اس کی صلاحیت نہیں پیدا ہو چکی ہوتی۔

آٹھویں (8) اور آخری چیز کہ ان کی مجلس میں بیٹھنے سے اللہ یاد آتا ہو، آخرت یاد آتی ہو اور دنیا کی محبت دل سے نکلتی ہو تو بے شک ایسا شخص اللہ کا سچا ولی ہے اس پر اللہ کا خاص فضل ہوا ہے۔

اب خطیب صاحب آگئے میں اجازت لیتا ہوں۔ انشاء اللہ جمعہ کی نماز کے بعد حضرت پیر باباؒ کے سلسلہ چشتیہ کا ذکر ہو گا تو وہ تمام حضرات جو اس میں شریک ہونا چاہتے ہیں شریک ہو سکتے ہیں۔

شمسی ھجری تقویم

اقوام عالم کو کسی اور شمسی تقویم پر جمع کرنا تو شاید ممکن نہ ہو لیکن مسلمان جو اس زمین پر واحد اہل نجات انسان ہیں ان کا معاملہ تو دوسرا ہونا چاہیئے۔اس لیئے مسلمانوں کے لیئے ایک شمسی ہجری تقویم کو تجویز کیا گیا ہے، جس کی تفصیل راقم کی کتاب "کشف ہلال" میں موجود ہے۔اس کی ضرورت اس لیئے محسوس کی گئی کہ جن امور سے مسلمانوں کو مفر نہیں مثلاً نمازوں کے اوقات، سحری و افطاری کے اوقات اور اوقات قبلہ ﴿قبلہ معلوم کرنے کے لیئے وہ اوقات جن پر سایہ قبلہ کی ساتھ ایک آسان زاویہ

بناتا ہے ﷺ وغیرہ میں شمسی سال کی ضرورت پڑتی ہے، قمری سال میں ان کا حساب ممکن نہیں۔اس طرح خلائی اور کائناتی حساب میں شمسی تقویم کی ضرورت پڑتی ہے۔اب اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم اسی بے ڈھنگے شمسی تقویم جس میں مہینوں کے نام مشرکانہ اور خلاف منطق ہیں ،پر قناعت کیئے رکھیں ۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنی مذھبی اور ثقافتی ضروریات کے لیئے خود ایک شمسی تقویم ترتیب دیں جس میں وہ خامیاں نہ ہوں جو اوپر موجودہ شمسی تقویم کی ذکر کی گئی ہیں ۔

اس مجوزہ تقویم میں بھی مہینے 12 ہی ہوں گے ۔کیوں نہ ہوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:اِنَّ عِدَّةَ الشُّهورِ عِنْدَ اللّٰہِ اِثْنَا عَشَرَ شَھراً فِی کِتَابَ اللّٰہِ یَومَ خَلقَ السَّمَاوَاتِ وَالاَرْضِ۔ اس میں پہلے چھ مہینوں میں30دن ہوں گے اور بعد کے پانچ مہینوں میں 31دن ہوں گے۔آخری مہینہ لیپ کا ہوگا۔لیپ سال میں یہ مہینہ 31کا ہوجائے گا جبکہ عام سال میں یہ مہینہ 30دن کا رہے گا۔اس تقویم کی ابتدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے وقت قباء میں داخلے کے وقت سے ہوگی۔

مہینوں کے نام بالترتیب : حرا، معراج، ثور، قباء، بدر، احد، احزاب ،رضوان، خیبر، فتح ، حنین اور تبوک ہوں گے جس سے ہماری تاریخ اور ثقافت کا اظہار ہوتا ہے۔اس تقویم میں یہ بھی خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قباء میں داخلے کے وقت سورج خط استوا کے بالکل قریب یعنی اعتدال خریفی پر تھا اور جو تقویم اعتدال ربیعی یا خریفی سے شروع ہورہا ہو وہ کائناتی حسابات کے لیئے زیادہ موزوں ہوتا ہے نیز اس میں چونکہ لیپ کا مہینہ آخری مہینہ ہے اس لیئے اس میں دن کے اضافے کا سال کے کسی بھی دوسرے دن پر اثر نہیں پڑتا۔ان ہی خوبیوں کے پیش نظر راقم نے جب اس تقویم کے مطابق نمازوں کے اوقات کے نقشے تیار کیئے تو ان میں خطا کا امکان موجودہ تقویم کے بنیاد پر بنائے گئے نقشوں کے مقابلے میں کم تھا۔

لیپ سال کے تعین کا طریقہ موجودہ تقویم کی طرح ہے یعنی جو سال 4پر تقسیم ہوتا ہے وہ لیپ سال،جو 100پر بھی تقسیم ہوتا ہے وہ لیپ سال نہیں اور جو ان دونوں پر بھی تقسیم ہوتا ہو لیکن 400پر بھی تقسیم ہوتا ہو وہ پھر لیپ سال ہے۔

ایک کمپیوٹر پروگرام تیار کیا گیا ہے جس کے ذریعے شمسی ہجری اور موجودہ عیسوی تقویم کی تاریخیں آپس میں آسانی کے ساتھ تبدیل کی جاسکتی ہیں ۔اسی طرح شمسی ہجری تاریخوں اور قمری ہجری تاریخوں کو بھی آپس میں تبدیل کرنے کے لیئے کمپیوٹر پروگرام تیار کیا گیا ہے۔اسی لئے اس رسالہ کے سرورق پر شمسی ہجری(ش ھ) تاریخ بھی لکھی ہے۔فالحمد للہ علیٰ ذالک۔